أوليائي تحت قبائي لا يعرفهم إلا أوليائي (حدیث)

اولیائے ملتان

بشیر حسین ناظم ایم - اے

سنگ میل پبلیکیشنز
چوک اردو بازار — لاہور

طابع : نیاز احمد
مطبع : کیمبرج پریس لاہور
مقامِ اشاعت : سنگِ میل پبلی کیشنز چوک اُردو بازار۔ لاہور
کتابت : طارق خلیل لاہور

قیمت
-/6 روپے

فہرس

اِنتساب

بصد خلوص و احترام ترجمانِ حقیقت حکیم الامت حضرت

علامہ اقبالؒ کے فرزند ارجمند مسٹر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال مدظلہ،

کے نام

نیاز آگین

بشیر حسین ناظمؔ ایم اے

عرضِ ناشر

اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں قلزمِ ناپیدا کنار اور بحرِ زخار ہیں جن میں ہر ارادت کیش یا غیر ارادت کیش غوطہ کرکے گوہر ہائے مراد حاصل کر سکتا ہے۔ چونکہ مردانِ خدا کی زیست کا ایک ایک لمحہ استرضائے حق اور حصولِ خوشنودی رسولِ برحق کے لئے وقف ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے قلوب انوارِ الٰہی اور تجلیاتِ رسولؐ سے مستنیر و منور ہو جاتے ہیں اور ان کے قلوب میں جلالی و جمالی رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کبھی تو اللہ کی بُرہان نظر آتے ہیں اور کبھی خلوص، ایثار، قربانی اور خدمتِ خلق کا پیکر گراں نظر آتے ہیں۔

ان نفوسِ قدسیہ کی زندگیوں کے مطالعہ سے ہمیں ایسے حیات بخش اسباق و نصائح ملتے ہیں جو نہ صرف ہمارے لئے مشعلِ راہ اور مینارِ نور کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی رُشد و ہُدیٰ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اُمّتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صرف اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی ہی ایک جماعت ہے جس نے لاکھوں انسانوں کے دل موعظت و حکمت کے نور سے فروزاں کر،

حضرات کو خداوند قدوس نے "اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ" کے ذیشان الفاظ سے خطاب کیا اور حضور صدر ایوانِ رسالت، بدر افلاک نبوت، رازدار سرِ وحدت، صاحبِ تاجِ شفاعت، نورِ ایمان، نورِ ایقان، نورِ رحمان، دانائے سُبل، مولائے کُل، ختمِ رُسُل صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَولیائی تحتَ قبائی" فرما کر اس جماعتِ مقدسہ کو اپنے دامنِ کرم میں پناہ دی۔

جس جماعت کو بارگاہِ ربانی سے یہ سرٹیفکیٹ عطا ہوا ہو اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ ملی ہو اس کی عظمت و رفعت اور سطوت و صولت کا معمولی انسان کیا اندازہ کر سکتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں اُن اولیائے عظام کا ذکرِ جمیل ہے جنہوں نے اپنے وجودِ مسعود سے اپنے نیک کردار سے، دلکش گفتار سے، علم و فضل، تورع، تدین اور زہد و اتقاء سے سرزمینِ ملتان کو مسعود و مبروک کیا اور دولتِ عرفان و ایقان سے اہلِ ملتان کے دل معمور کر دیئے۔ ان میں سے بیشتر اسی خاکِ پاک میں آسودہ ہیں۔ صرف چند ایک ایسے ہیں جنہوں نے ابتداء میں ملتان میں ہی قیام فرمایا، اور عمر کا بیشتر حصہ یہیں گزارنے کے بعد آخری ایام ملتان کے مضافات میں گزارے بلکہ جانِ شیریں بھی جانِ آفرین و جہان آفرین کے حوالے شہر ملتان سے باہر ہی کی اور بیرونِ ملتان مختلف مقامات پر مدفون ہوئے چونکہ اُن کا تعلق ابتداء سے ملتان ہی سے رہا ہے اس لئے انہیں بھی "اولیائے ملتان" میں شمار کیا گیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب سے قارئین کو انشاء اللہ روحانی ضیافت کا سامان مہیا ہو گا۔ قارئین انہیں بیک وقت اخلاص و ایثار کا پیکرِ عظیم، عظمت و جلالت کا نشان، علم و فضل اور رشد و ہدیٰ کا سرچشمہ، و صدق و صفا کا گنجِ گراں پائیں گے

وہ دیکھیں گے کہ اِن اولیاء اللہ سے کوئی تو تصویرِ اخلاقِ مصطفوی ہے، کوئی کشتۂ تیغِ محبتِ نبوی ہے، کسی کا دِل دولتِ سوز و گداز سے معمور ہے، کسی کا سینہ تجلی گاہ کوہِ طور ہے۔ غرضیکہ ہر مردِ خدا کئی کمالات و صفات کا حامل نظر آئے گا۔

ہم دُعا کرتے ہیں کہ کتاب میں جو گلہائے عقیدت پیش کئے گئے ہیں۔ اُن کی خوشبو سے قارئین کے مشامِ جان معطر ہوں۔

نیاز احمد

پیش لفظ

بزرگانِ دین کے حالات و مقامات لکھنا بہت بڑی دینی خدمت ہے۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ عند ذکر الصالحین ینزل الرحمۃ (نیک لوگوں کا ذکر کرنے سے خدا تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے) اس لئے اللہ والوں کے احوال و عبادات اخلاق و عادات، فضائل و کمالات اور خوارق و کرامات کا تذکرہ لکھنا۔ حق تعالیٰ کی نزولِ رحمت کا باعث ہے اور یہ سراسر ذکرِ الٰہی کے مترادف ہے۔ اس سے سالکان طریقت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ریاضت و مجاہدات پر اُن کا دِل جمعیت پکڑتا ہے اور اوامر الٰہی بجالانے اور منہیات سے اجتناب کرنے پر اُن کی ہمت بڑھتی ہے۔ اللہ عز اسمہٗ نے قرآن مجید میں پیغمبروں کے احوال بیان کئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا: كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ (یہ اس لئے کیا ہے کہ اس کے ساتھ تمہارے دِل کو قائم کردیں یعنی تم کو استقامت حاصل ہو) ہر ایک شہر و ملک میں اہل اللہ کے افراد وقتاً فوقتاً دینِ حق کی تبلیغ میں نمایاں خدمات انجام دیتے رہے۔ ان

کے کارناموں کو منظرِ عام پر لانا۔ دین اسلام کی ترویج کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے کوئی زمانہ ان متبرک ہستیوں سے خالی نہیں گذرا۔ دیارِ پنجاب میں شہر ملتان اولیاء اللہ کے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ بڑے بڑے اکابر صاحبانِ ولایت اور جلیل القدر مشائخ اس بابرکت بستی میں ہوتے چلے آئے ہیں۔ ان کی سیرت و کردار کو محفوظ رکھنا۔ بڑے فوائد کا موجب ہے۔ زیرِ نظر کتاب "اولیائے ملتان" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جو جناب بشیر حسین صاحب ناظم ایم اے کے قلم کا شاہکار ہے۔ انہوں نے بڑی جستجو اور محنت سے ملتان شریف کے اولیاء اللہ کا اس میں تذکرہ کیا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی کئی اہلِ قلم حضرات نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر جناب ناظم صاحب کی تحقیق اور چھان بین کا رنگ انوکھا ہے۔ جابجا حواشی دے کر مضامین کی وضاحت کر دی ہے۔ جس سے کتاب کی افادیت میں خاصہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ ملتان کے صوفیہ و مشائخ پر ابھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ مگر ناظم صاحب نے بموجب خیر الکلام ما قلّ و دلّ اختصار پسندی سے کام لیا ہے اور چند اکابر کے تذکرہ پر ہی اکتفا کیا ہے جو ناظرین کی ہدایت و رشد کیلئے کافی ہے۔ حق تعالےٰ اس کتاب کو مقبولِ عام فرما دے اور مؤلف کو اس محنت اور خدمت دینی کا اجر عطا فرمادے۔ آمین۔

سید شرافت نوشاہی عفی اللہ عنہ

۲۱ مارچ ۱۹۷۱ء

حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا سہروردیؒ ملتانی

پرسی اگر از جہاں کیست امام انام
نشنوی از آسماں جز زکریا جواب
(فخر الدین ابراہیم عراقیؒ)

دودمان

امام انام شیخ الاسلام[1] غوث العالمین حضرت بہاء الدین زکریا سہروردی ملتانیؒ کے اجداد عظام کا تعلق قریش کے معزز و مکرم قبیلہ سے تھا۔ اسی نسبت سے آپ کو "القریش الاسدی" کہتے ہیں۔ شیخ عین الدین بیجاپوری

---

[1] شیخ الاسلام کا عہدہ اس غرض کیلئے تھا کہ مقدمات کی آخری اپیلوں کیلئے کوشش ہو اور حکومت کے تمام مختلف محکموں پر عام نگرانی کی جائے۔ خلیفہ عبدالملک (بنو امیہ) جس نے اس عہدہ کو قائم کیا خود بطور شیخ الاسلام کام کرتا تھا۔ اگرچہ بیشتر مقدمات قاضی ابو ادریس کو دے دیا کرتا تھا۔ دور آخر میں شیخ الاسلام کو خلیفہ مقرر کرتا تھا۔ عباسی خلیفہ المقتدر کے عہد حکومت میں خلیفہ کی اپنی والدہ شیخ الاسلام کے عہدہ پر متمکن تھی۔ اور ہر جمعہ کے روز اپنے گرد علماء قضاۃ، مشائخ عظام اور اکابر امراء کی مجلس منعقد کر کے اپیلیں سنا کرتی تھی۔ بلحاظ ایک امر کے قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام میں فرق ہے اور وہ یہ کہ مؤخر الذکر اول الذکر کی طرح شریعت کے ہر لفظی مفہوم کا پابند نہیں۔ اس کے فیصلے قدرتی اور فطری عدل و انصاف کے عام اصولوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ یوں کہو کہ شیخ الاسلام خلیفہ کے ضمیر کا محافظ و معین ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

آپ کے حسب و نسب کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

"شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا از اولادِ ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیز بن اقصیٰ است۔ وہبار اسلام آوردہ بُود۔ برادران او زمعہ وعمر وعقیل بحالتِ کفر در جنگِ بدر بقتل رسیدند و سودہؓ کہ در زبان پیغمبر بُود دختر زمعہ بُود" یعنی حضرت بہاءالدین زکریا ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیز بن اقصیٰ کی اولاد سے ہیں اور ہبارؓ مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کے بھائی زمعہ، عمر اور عقیل جنگ بدر میں مقتول ہوئے اور سودہؓ جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھیں زمعہ کی بیٹی تھیں۔

حضرت شیخ کے جدِ امجد جن کا نام عام تذکروں میں کمال الدین شاہ قریشی مرقوم ہے۔ مکہ معظمہ سے نقل مکانی کرکے خوارزم میں سکونت پذیر ہوئے اور بعد ازاں وہاں سے ملتان آکر اقامت گزیں ہوگئے۔ اسی "مدینۃ الاولیاء" میں ان کے نورِ نظر مولانا وجیہہ الدین محمد متولد ہوئے۔ ان کی شادی مولانا حسام الدین ترمذیؒ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲ سے آگے) عدالت کے وقت اس کی مدد کو قضاۃ و فقہاء کی ایک مجلس بیٹھتی ہے جس کا فرض ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام کے فیصلے سنانے سے قبل اس کے فیصلے کے ہر پہلو پر بالتفصیل و توضیح جرح و بحث کرے۔ اس عہدہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی اُن چند یادگاروں میں ایک تھی جسے نارمنوں نے گیارھویں صدی میں سسلی پر قابض ہونے کے بعد اپنی حکومت کے دوران میں بھی قائم رکھی (مقالاتِ اقبالؒ)

۲ سہروردؔ چشت کی طرح عراق عجم میں ہمدان و زنجان کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ بانی سلسلہ سہروردی حضرت شیخ عبدالقاہر شہاب الدین ابوحفص عمرؒ اسی جگہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی ولادت ۵۴۲ھ اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔ عوارف المعارف، کشف النصائح الایمانیہ اور بہجت الابرار ان کی اشہر ترین تصانیف ہیں جو اہل ذوق و شوق کی روحانی ضیافت کا سامان بہم پہنچاتی ہیں۔

صاحبزادی سے ہوئی۔ انہی ایام میں نواح ملتان تاتاریوں کے حملوں کی آماجگاہ تھا۔ لیکن قلعہ کوٹ کروڑ قدرے محفوظ اور مصئون مقام تھا۔ مولانا حسام الدین ترمذی یہیں مقیم ہوگئے اور اسی مقام پر شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت[۱] ہوئی۔

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم سابق استاذ ادبیات فارسی و رئیس دانشکدۂ السنۂ شرقیہ دانش گاہ پنجاب لاہور نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب اپنے مقالہ "الشیخ الکبیر بہاء الدین زکریا" میں دریں الفاظ لکھا ہے: "ابو محمد زکریا بن وجیہہ الدین محمد بن کمال الدین شاہ علی قریشی بن سلطان حسین بن سلطان عبداللہ بن الحسین بن سلطان مطرف بن سلطان خزیمہ بن امیر ہاشم بن امیر تاج الدین بن امیر عبدالرحیم بن عبدالرحمان بن ہبار بن اسد بن ہاشم بن عبدالمناف

شجرۂ طریقت اس ترتیب میں ہے۔ شیخ بہاء الدین زکریا شیخ شہاب الدین سہروردی شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی شیخ وجیہہ الدین سہروردی شیخ عبداللہ شیخ اسود احمد دینوری "DINAWARI" شیخ ممشاد علی دینوری، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ حبیب عجمی، حضرت امام حسن، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، فخر عالم و عالمیان، قبلۂ عرشیاں و کعبۂ فرشیاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بارہ سال کی عمر میں والد محترم دار البقا کی طرف چلے گئے۔ ان کی رحلت کے بعد آپ نے کلام مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ ساتوں قراتوں کے ساتھ قرآن کریم حفظ کر لیا تو حلیۂ تعلیم سے آراستہ ہونے کے لئے خراسان تشریف لے گئے۔

---

[۱] آپ رمضان المبارک کے مہینہ میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت ۵۶۶ھ ہے بعض تذکروں میں سال ولادت ۵۶۵ھ تحریر شدہ ہے لیکن اخبار سہروردیہ اور تاریخ فرشتہ (محمد قاسم) میں ۵۷۸ھ مرقوم ہے۔ (واللہ اعلم)

بخارا جو ان دنوں علوم و فنون کا گہوارہ تھا اور اسلامی ثقافت کا مرکز تھا۔ یہیں پہنچ کر علوم قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر کی تحصیل کی۔ بعدازاں بہت سے بزرگان دین سے فیوضِ روحانیہ اور باطنیہ کا اکتساب کیا۔ یہاں کے عوام میں آپ بہاء الدین فرشتہ کے نام سے مشہور تھے۔ تقریباً آٹھ سال تک یہاں رہے اور پھر زیارت حرمین الشریفین کا شوق دامن گیر ہوا۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد روضۂ مطہرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور تقریباً پانچ سال تک اس جنّتِ ارضی یعنی جوارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زندگی بسر کی۔ اور تزکیۂ نفس و تصفیۂ باطن کے لئے ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے حضورؐ کے فیوض لامتناہی سے مالا مال ہو کر بیت المقدس پہنچے۔ یہاں سے مزاراتِ انبیاء کی زیارت سے فارغ ہو کر عروس البلاد بغداد تشریف لے گئے۔ یہاں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین ابوحفص عمر سہروردی قدس سرہٗ علم و عرفان کی دولتِ لازوال سے سالکانِ جادۂ حق کے دامن بھر رہے تھے۔ حضرت شیخؒ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے اور بہت جلد خرقۂ خلافت پایا[1]

خرقۂ خلافت عطا کرنے کے بعد شیخ الشیوخ سہروردیؒ نے آپ کو مرخص فرمایا اور ملتان

---

[1] حضرت خواجۂ خواجگان نظام الدین والملت نظام الدین اولیاءؒ زری زر لبخت کے ارشاد کے مطابق آپ صرف چند روز یعنی سترہ دن تک اپنے ہادی و مرشد کی صحبت میں رہے اور ان کو حضور غوث پاکؒ کی طرف سے تمام روحانی نعمتیں عطا ہوئیں۔ اور خرقہ خلافت سے بھی نوازے گئے حضرت شیخ سہروردی کے دوسرے ارادت کیشوں کے دلوں میں آپ کے بہت جلد خرقہ خلافت سے مشرف ہونے سے رشک پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ گاہے بگاہے اپنی خدمات اور محرومیٔ خلافت کا شکوہ کرنے لگے۔ حضرت شیخ سہروردیؒ نے فرمایا۔ تمہاری مثال تر لکڑیوں کی سی ہے جنہیں آگ مشکل سے یا بدیر لگتی ہے۔ لیکن بہاءالدین خشک لکڑی کی طرح تھے جن میں آگ جلد اثر کر گئی۔ "بزم صوفیہ"

میں مقیم ہوکر خلقِ خدا کو فیض رسانی کی تلقین فرمائی۔ ملتان پہنچے تو اہلِ ملتان نے آتشِ رشک میں جل کر آپ کی خدمت میں پانی سے لبریز پیالہ بھیج دیا۔ جس سے مراد یہ تھی کہ یہ شہر اُن کی آمد سے پہلے ہی صاحبانِ کشف و کرامات سے پُر ہے۔ اس میں مزید کسی کے لیے گنجائش نہیں۔

حضرت شیخ ان کے رمز و کنایہ کو سمجھ گئے اور آپ نے پیالہ کی سطح پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ اُن کا قیام اس شہر میں اس طرح ہوگا جس طرح سطح آب پیالہ پر پھول۔ اکابرین شہر آپ کے اس پرموز جواب سے متحیر ہوکر آپ کے منقاد و مطیع ہو گئے۔ ملتان کی مدتِ قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ تمام برصغیر پاک و ہند حضرت بہاء الحق زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے انوار و تجلیاتِ باطنیہ سے منور ہوا۔ اور آپ لوگوں اور صوفیاء میں "خیر الاعصار" مشہور ہو گئے۔ سلسلۃ الذہب کے مؤلف شیخ محمد نور بخش لکھتے ہیں:

حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی قدس سرہٗ العزیز ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔ اُن سے اکثر اولیاء اللہ کے سلاسل منشعب ہوئے۔ لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور ان کو کفر و طغیان سے ایمان کی طرف، عصیان و معصیت سے اطاعت گزاری کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے اور اُن کی شان نہایت ارفع و اعلیٰ تھی۔

آپ کے فیضِ رشد و ہدایت سے امیر و غریب، شاہ و گدا اور خواص و عوام مستفیض تھے۔ آپ کسی خاص جماعت یا طبقہ کو تلقین نہیں فرماتے تھے۔ جب آپ لوگوں کو راہِ حق کی تلقین کر رہے تھے تو ان دنوں ناصر الدین قباچہ حاکم ملتان تھا۔ جو سلطان شمس الدین التمش کا حریف بھی تھا۔ چونکہ سلطان شمس الدین التمش اپنے تدین پاسداری شریعت اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار ہوتا تھا۔ اس لیے شیخ عالم کا رجحانِ قلبی اسی طرف تھا۔ قباچہ نے التمش کی شان و شوکت اور

سطوت و قوت کا اندازہ کر کے اس کے خلاف معاندانہ سازشوں کا ایک جال پھیلا دیا۔ لیکن ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی جو ایک بے نظیر و بے عدیل عالم دین تھے اور شیخ بہاؤالدین زکریا نے قباچہ کے اس فعل قبیح سے اتفاق نہ کیا اور التمش کو مطلع کرنے کے لئے دونوں حضرات نے پُرخلوص خطوط لکھے۔ مگر شومئے قسمت یہ خطوط قباچہ کے گماشتوں کے ہاتھ لگ گئے۔

قباچہ بہت برہم ہوا اور قاضی صاحب کو حضرت شیخ کی معیت میں دربار میں طلب کیا۔ جب یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے تو قباچہ نے حضرت بہاءالدین زکریا کو اپنی دائیں طرف بٹھایا اور قاضی صاحب کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر دونوں بزرگوں کو ان کے ارسال کردہ خطوط دکھلائے۔ قاضی صاحب پڑھ کر منفعل و نادم ہوئے اور گردن نیچی کر لی لیکن حضرت بہاءالدین زکریا نے فرمایا "اے قباچہ! بیشک یہ خط میرا ہی تحریر شدہ ہے اور میں نے اسے حکم الٰہی سے تحریر کر کے ارسال کیا تھا۔ یہ سن کر ناصر الدین قباچہ لرزہ براندام ہو گیا اور بصد انکساری و تضرع حضرت سے اس گستاخی و بیباکی کی معافی مانگی اور حضرت کو نہایت عزت و اجلال سے رخصت کیا۔ لیکن قاضی شرف الدین اصفہانی اس کے غیظ و غضب سے محفوظ نہ رہ سکے اور وہیں شہید کر دیئے گئے۔

آپ اپنے تبحر علم اور کمال فضل کے باعث شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ آپ کے شیخ الاسلام مقرر ہونے کا حال مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں جب آپ کے دوست شیخ جلال الدین تبریزی وارد دہلی ہوئے تو ان کے آنے کی خبر سن کر شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ[۱] کی آتش حسد بھڑک اٹھی۔ شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے انہیں

---

[۱] نجم الدین نام کے دو بزرگ ہوئے ہیں۔ ایک بغداد میں اور دوسرے ہندوستان میں۔ حضرت نجم الدین عراقی بغدادی کو ان کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور روحانی مدارج و مراتب کے باعث کبریٰ کہا جاتا تھا۔ ہندوستان کے نجم الدین کو صغریٰ کہا جاتا تھا۔ یہ بھی علم و فضل میں بے مثال تھے اور شیخ الاسلام تھے

بادشاہ اسلام التمش کی نظروں میں ذلیل و رسوا کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے اور شیخ تبریزیؒ کو افترا و اتہام کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ ایک مغنیہ کے توسط سے اُن پر زنا کا بہتان لگایا۔ اس پر سلطان نے ایک محضر کا حکم دیا۔ جس میں تمام برصغیر پاک و ہند کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی۔ نجم الدین صغریٰ نے شیخ الاسلام کی حیثیت سے حضرت بہاء الدین زکریا کو ثالث مقرر کیا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران میں یہ ثابت ہوگیا کہ اتہام زنا میں خود شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کا ہاتھ تھا۔ اور الزام زنا ثابت نہ ہوا تو شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ سخت شرمندہ و خجل ہوئے یہاں تک کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ بادشاہ نے اس بہتان و افتراء کی پاداش میں نجم الدین صغریٰ کو اس عہدۂ جلیلہ سے معزول کر کے حضرت بہاء الدین زکریا کو منصوب کر دیا اسی عہدہ جلیلہ پر آپ کے خاندان کے مختلف افراد فائز رہے۔

آپ مہر و وفا، جود و سخا، محبت و مودّت کے بحر ناپیدا کنار تھے۔ انہیں خصائل حمیدہ کی وجہ سے حضرت بابا مسعود فریدالدین گنج شکر آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت شیخ نے کسی بات پر معذرت کرتے ہوئے بابا صاحب کو لکھا:۔ "میانِ ما و شما عشق است بازی نیست"

اسرار الاولیاء میں حضرت بابا صاحب سے مروی ہے کہ ایک روز میں اور برادرم بہاء الدین زکریا ایک مقام پر بیٹھے سلوک کی باتوں میں محو تھے کہ اچانک آپ کھڑے ہو گئے اور آہ و بکا شروع کر دی اور پھر اِنَّا للہ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون پڑھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا۔ فرمایا کہ اٹھ کر دیکھو! میں نے دیکھا کہ حضرت سعدالدین حمویہؒ[۱] کا جنازہ

---

[۱] سعدالدین حمویہ آپ کا اسم گرامی محمد بن المؤید بن ابی بکر بن ابوالحسن حمویہ ہے۔ آپ شیخ نجم الدین کبریٰ کے احباب میں سے تھے۔ امام یافعیؒ اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

مسجد کے سامنے پڑھ رہے تھے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ حضرت سعدالدین حمویہؒ کی روح اسی روز قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کو شوق سماع نہ تھا لیکن اتباعِ مرشد میں شرابِ سماع کے چند جرعے پی لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک قوال ملتان میں آیا اور ان کی خدمت میں بسا اوقات حاضر ہوتا رہتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا اچھا بھئی! جب پیر و مرشد نے سماع کو مستحسن سمجھا ہے تو پھر میں بھی ضرور سنوں گا۔ چنانچہ آپ عشا کی نماز پڑھ کر تلاوت میں مشغول ہوئے۔ تلاوت کے بعد آپ ایک حجرے میں تشریف فرما ہوئے اور عبداللہ قوال سے کچھ سنانے کے لئے فرمایا۔ اس نے مندرجہ ذیل بیت کی تکرار شروع کر دی۔ ؎

مستان کہ مئے ناب خوردند　　از پہلوئے خود کباب خوردند

یہ سن کر آپ پر کیفیت طاری ہو گئی اور کئی گھنٹے تک شگفتہ رہے۔ صبح ہوئی تو قوال کو ایک خلعتِ فاخرہ اور بہت سا انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

آپ کو اکثر مولانا فخرالدین ابراہیم عراقی کے پُرسوز اشعار سے کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک رات آپ عراقی کے کمرے کے پاس سے گزرے تو اسے اپنی مندرجہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸ سے آگے ۔ کہ آپؒ صاحب احوال و ریاضت تھے۔ آپ کے ارادت کیشوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار تھے۔ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ آپ کی تصانیف رموز و کنایات اور دقایق و غوامض سے بھرپور ہیں۔ بقول مولانا محمد نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ ان کی ادق اور مغلق عبارات کا عقل و فکر احاطہ نہیں کر سکتی۔ ان کا ادراک تبھی ہو سکتا ہے جب انسان ان کو بچشمِ بصیرت دیکھے۔ آپ کچھ عرصہ قاسیون میں مقیم رہے پھر وہاں سے خراسان آئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

ذیل غزل گنگناتے ہوئے سُنا:

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ۔ ز چشم مست ساقی وام کردند
چوں با خود یافتند اہل طرب را ۔ شراب بے خودی در جام کردند
لب میگون جاناں جام در داد ۔ شراب عاشقانش نام کردند:
سر زلف بتاں آرام نہ گرفت ۔ ز بس دلہا کہ بے آرام کردند
بمجلس نیک و بد را جائی داوند ۔ بجامے کار خاص و عام کردند
چوں گوئی حسن در میداں فگندند ۔ بیک جولاں دو عالم رام کردند
ز بہر نقل مستاں از لب و چشم ۔ مہیا شکر و بادام کردند
ازاں لب کابروئی جملہ دلہاست ۔ نصیب بیدلاں دشنام کردند
دلے را تا بدست آرند ہر دم ۔ سر زلفین خود را دام کردند
بغمزہ صد سخن گفتند باجاں ۔ بدل زابرو دو صد پیغام کردند
نہاں با محرمے رازے بگفتند ۔ جہانے را ازاں اعلام کردند
بعالم ہر کجا درد و غمے بود ۔ بہم کردند و عشقش نام کردند
چوں خود کردند راز خویشتن فاش ۔ عراقی را چرا بدنام کردند

غزل کا مقطع سُنتے ہی حضرت بہاء الدین زکریا کی حالت دگرگوں ہوگئی اور بہت دیر تک آپ پر وجد و کیفیت طاری رہا۔ یوں بھی اکثر و ادئی استغراق

---

(۱) پروفیسر ای جی براؤن نے یہ واقعہ ایک گونہ اختلاف سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت فخر الدین ابراہیم عراقی حضرت شیخ کے ارادت کیشوں میں شامل ہوئے تو آپ نے انہیں مراقبہ کی تلقین فرمائی لیکن عراقی اس ارشاد پر عمل پیرا ہونے کی بجائے شغل شعر و شاعری میں منہمک

(باقی اگلے صفحہ پر)

کی سیر کرتے رہتے اور اسی حالت پر مہینوں اکل و شرب کی پروا نہ رہتی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ عالم استغراق و تحیر میں اس درجہ کھو گئے کہ ایک ہفتہ تک طعام و کلام تک نہ فرمایا۔ ساتویں روز آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جو دُرِّ شہوار کی شکل اختیار کر جاتے۔ متوسلین نے انہیں جمع کیا۔ افاقہ کے بعد حضرت سے کیفیت پوچھی تو فرمایا کہ میں حق تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے بحرِ بیکراں میں غواصی کر رہا تھا اور اسی ذات بابرکات کے جمال و کمال سے میری آنکھیں نم آلود تھیں۔ اس لئے جو آنسو نکلتا تھا وہ دُرِّ شہوار کی شکل اختیار کر جاتا تھا۔

عبادت و ریاضت میں کلام اللہ کو سب اوراد پر ترجیح دیتے تھے اور اس کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ ایک دن آپ حلقۂ مریداں میں تشریف فرما تھے۔ فرمایا "تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو رکعت میں پورا کلام پاک ختم کرے؟ خلفاء اور حاضرین میں سے کسی کی ہمت نہ پڑی۔ چنانچہ آپ اٹھے اور رکعت کی نیت کر کے پہلی ہی رکعت میں سارا قرآن مجید ختم کر دیا۔ بلکہ چار پارے مزید تلاوت فرمائے اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی۔ بسا اوقات یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جو کچھ اہل درد و محبت سے حاصل کیا ہے۔ عملی شکل میں خلقِ خدا کے سامنے پیش کر دیا ہے اور یہ سب رب العزت کا فضل و کرم ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ۲۰ سے آگے) رہنے لگے۔ چند پیر بھائیوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عراقی کی شکایت کی کہ وہ آپ کے ارشاد کی چنداں پروا نہ کئے ہوئے ہر وقت عشقیہ اشعار گنگناتا رہتا ہے۔ حضرت شیخ نے انہیں بلا بھیجا اور پھر چند اشعار سنانے کے لئے حکم دیا۔ عراقی نے بڑے سوز و گداز سے اپنی غزل سنائی جسے سُن کر شیخ بہاءالدین زکریاؒ بیخود ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد حضرت نے عراقی کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور اپنی دختر نیک اختر کا عقد بھی ان سے کر دیا۔

میں نے جس کام کو سرانجام دینے کا ارادہ کیا وہ بفضلہ پایۂ تکمیل کو پہنچا

وصال

مورخین نے آپ کے وصال کے شہور و سنین اور دن بہ اختلاف لکھے ہیں۔ راحت القلوب میں سن وفات ۶۵۶ھ مگر تذکرۂ علماء ہند میں ۶۶۱ھ ہے۔ مرآۃ الاسرار میں ۶۶۵ھ اور سفینۃ الاولیاء میں ۶۶۶ھ مرقوم ہے۔ سوائے محمد قاسم فرشتہ کے یوم وصال پر سب اتفاق کرتے ہیں یعنی ۷ر صفر المظفر

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ وصال کے دن آپ یاد حق میں مشغول تھے کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ والے بزرگ نمودار ہوئے۔ جنہوں نے آپ کے صاحبزادہ حضرت صدر الدین عارفؒ کے ہاتھ میں ایک سربمہر خط دے دیا۔ حضرت صدر الدین عارفؒ خط کے عجیب و غریب عنوان اور مافیہات کو پڑھ کر بہت متعجب ہوئے۔ وہ خط کو حضرت شیخؒ کی خدمت میں پیش کر کے باہر آئے تو وہ بزرگ غائبؒ ہو چکے تھے خط کو پڑھتے ہی حضرت شیخؒ کی روح ملاء اعلیٰ کے نورانی جھولوں میں جھولنے لگی۔ اور حجرے سے آواز آئی۔ وَصَلَ الْحَبِیْبُ اِلَی الْحَبِیْبِ دوست بدوست رسید۔ آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ یہ آواز سن کر دیوانگی کے عالم میں حجرے کی طرف دوڑے اور دیکھا کہ آواز حقیقت بن چکی تھی۔

ملفوظات[1] حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر میں ہے کہ جس وقت حضرت شیخ بہاء الحق والدین ذکریا ملتانی کا وصال ہوا تو بابا صاحبؒ کو غشی آگیا اور بہت دیر تک بیہوشی کے عالم میں پڑے رہے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا "میرے بھائی بہاء الدین ذکریاؒ کو اس فنا کے بیابان سے بقا کے شہرستان میں لے گئے اور پھر اٹھ کر

---

[1] ملفوظات ۔۔۔۔۔؟ ۱۹۶۴

مریدوں کی معیت میں نمازِ غائبانہ ادا کی۔ آپ کا مزار پُر انوار ملتان شریف میں ہے۔ جو مرجع خواص و عوام ہے۔

وفات حسرت آیات پر حضرت شیخ فخرالدین عراقی نے جو آپ کے خلفاء میں سے تھے اور آپ کے داماد بھی تھے ایک پُر درد مرثیہ لکھا جو بہت طویل ہے۔ مرثیہ کی اطالت کو پیشِ نظر رکھ کر صرف چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

کارم از دست رفت و دست از کار | دیدہ بے نور ماند و دل بے یار
یارِ غارم ز دست رفت دریغ | ماندم افسوس پائی بردم مار
روشنائی دیدہ رفت افسوس | منم امروز و دیدہ خون بار
سوختم ز آتش جدائی او | مرہم نیست جز غم و تیمار

دلم از من لبی خراب تراست
خاطرم از جگر کباب تراست

پرتو انوارِ حق مقرر باد | حُسن او در تو ہر دم اظہر باد
بہ تجلی ذاتِ طلعت تو | چوں دلت لحظ لحظ انوار باد
در نسیم ریاضِ الفت است | جانِ روحانیاں معطر باد
ہفت فرزند تو کم او تاد اند | ہر یکی غوثِ ہفت کشور باد
قطب شاں صدر صفۂ ملکوت | کہ مقامش ز عرش برتر باد
بر سر کوئی ہر یکی گردوں ! | چوں عراقی کمینہ چاکر باد

تعلیمات

اپنی سادہ اور پاکیزہ زندگی میں آپ نے اپنے مختلف متوسلین اور مریدین کو بہت سی پند آموز اور حقیقت افروز وصیتیں فرمائیں جو آپ کی صوفیانہ تعلیمات کی مظہر ہیں۔ ان وصایا اور خطوط[۱] میں سے چند اقتباسات ہدیۂ

۱؎ خطوط

ناظرین کئے جاتے ہیں

بندہ پر واجب ہے کہ وہ بندگی پروردگار میں صدق و اخلاص کو اپنا شعار بنائے۔ ماسوا اللہ کے تصور کو مٹائے اور عبادت و اذکار میں غیر اللہ کی نفی کرے۔ ایسا کرنے میں بندہ کو لازم ہے کہ وہ اپنے احوال کو درست کرے اور اپنے اقوال و افعال میں محاسبہ نفس کرے۔ گفتگو سے حتی الامکان احتراز کرے۔ ضرورت کے سوا کوئی بات نہ کرے۔

دلِ زپُرگفتن بمیرد در بدن   گرچہ گفتارش بود دُرِ عدن

(فریدالدین عطار)

ہر کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے استعانت پروردگار اور استمداد کردگار کرے۔ اور اسی سے توفیق عمل کا طالب ہونا چاہیئے۔

اپنے ایک مرید کو ایک خط کے ذریعے ہدایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو حرزِ جان بناؤ۔ کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے اور محب اپنے محبوب تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ محبت ایک ایسی آگ ہے جو دل کی تمام آلائشوں کو جلا دیتی ہے اور جب راسخ و استوار ہو جاتی ہے تو مذکور کے مشاہدے کے ساتھ ذکر فی الواقعی ذکر ہوتا ہے۔ اسی ذکر کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے بفحوائی " وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥" فلاح دارین کا وعدہ فرمایا ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔ مرید کو چاہیئے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرے۔ ماسوا اللہ کو حریم دِل میں نہ آنے دے۔ اہل دُنیا کی صحبت سے گریز کرے۔ بلکہ ان سے میل و ملاقات حرام سمجھے۔ ہر وقت یادِ حق میں مستغرق رہے۔ کیونکہ جس شخص کو ذکرِ حق سے موانست نہ ہوگی وہ محبتِ الٰہی کی بُو بھی نہ سونگھ سکے گا۔ آپ اپنے ہر مرید اور

متوسل کو اس بات کی تلقین فرماتے کہ بدن کی سلامتی کم خوری میں ہے۔ روح کی سلامتی ترک معصیت میں ہے اور دین کی سلامتی سید عالم و عالمیان رحمت کون و مکان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنے میں ہے۔

مناجات

آپ فرمایا کرتے تھے کہ تہجد کی کم از کم رکعتیں چار ہونی چاہئیں اور زیادہ سے زیادہ جتنی کوئی پڑھ سکے۔ بندہ کو چاہیئے کہ ہر دو رکعت کے بعد تھوڑا سا آرام کرے اور چند بار تسبیح و تہلیل و استغفار اور صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے بعد یہ مناجات بخلوص و بحضور دل پڑھے۔

"بادشاہا! بنظرِ رضا و رحمت بمانگر! خداوندا! ظاہر و باطن مارا در طلب رضائے خود جمع دار! تفرقہ و پریشانی و سرگردانی از راہِ ما و از راہِ مسلماناں بدور دار! عفو و عافیت را قرینِ وقت ماکن! عنایت و رعایت را سابق و قائد ماگرداں! مارا بدست تفرقہ ما باز مدہ! مارا بما باز مگذار! مارا برما مگمار! مارا از شرِ ما نگاہدار' کار نا وکارِ آں ہمہ مسلماناں و رعافیت و در رضائی خود باصلاح آر! کردہ مارا در گذار و آئندہ مارا نگاہدار! ہر چہ بہ بندہ بخشی دینی بخشی بارضائی خویش قرین بخش مارا بقہر خویش مخذول مکن! مارا بدوں خود مشغول مکن! مارا از خود معزول مگرداں اگر پرسی حجتی ندارم واگر بسوزی طاقت نیارم' از بندہ خطاء و زلت است و از تو ہمہ عطاء و رحمت' اے قدیم لم یزل و اے عزیز بے بدل

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْنَا وَاَصْلِحْ فَسَادَ قُلُوْبِنَا اِلَی اٰخِرِہٖ'

رہروانِ جادۂ طریقت کو آپ یوں نصیحت فرماتے ہیں :۔

طریقت کے پرخار راستہ پر گامزن ہونے سے پہلے یہ لازم ہے کہ طالب حظوظ نفسانیہ خواہشات دنیوی کو ترک کر دے۔ جب انسان دنیا کے اشتغال میں منہمک رہتا رہتا ہے تو اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی۔ انسان کی زندگی کا مقصد ہی عبادت

الٰہی ہے۔ عبودیت اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اور وہ بھید درجہ تقرب ہے۔ انسان کی تخلیق مصلحت کیلئے ہوئی۔ لیکن چونکہ درمیان میں ایک پردہ ہے۔ اس سبب سے وہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ انسان کے بدن کا ایک ایک عضو شہوت وخواہش کا گھر ہے۔ اور یہی چیز حجاب کا اصلی سبب ہے۔ چنانچہ آنکھ کی شہوت دیکھنے میں، کان کی سننے میں، ناک کی سونگھنے میں، حلق وکام کی ذوقِ اشیاء میں، زبان کی بولنے میں، بدن کی خواب واستراحت میں اور دل کی شہوت اندیشہ ہائے گوناں گوں میں مضمر ہے۔

انسان میں اصل چیز دل ہے۔ جب دل اصلاح پذیر ہو جاتا ہے تو تمام بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ دل بھی موت وحیات سے دوچار ہوتا ہے اور اس کی اپنی جداگانہ زندگی وموت ہے۔ جو دل لذت وشہوات اور ماکولات مشروبات کے شکنجے میں پھنس جاتا ہے وہ غفلت، تساہل اور تکاسل کا مسکن بن جاتا ہے اور اس پر وساوسِ شیطانی کا غلبہ اور استیلاء ہو جاتا ہے اور اس میں اندیشہ ہائے گوناگوں دخیل ہو جاتے ہیں۔ غیراللہ کا خیال دل کو تیرہ وتار کر دیتا ہے۔ جب دل پر تیرگی وسیاہی مستولی ہو جائے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال بعینہٖ زمینِ شور کی سی ہو جاتی ہے۔ جو بیج قبول نہیں کرتی تو لوگ اُسے "زمین مردہ" کہہ کر پکارتے ہیں۔ لیکن جب تعلقِ دنیوی دل سے زائل ہو جائے اور خواہشات نفسانیہ سے خالی ہو جائے اور بندہ ذکر وتلاوت میں ہمہ تن مصروف ہو جائے تو اس کا دل نورِ ذکر سے زندہ اور مستنیر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اصل کام صلاحیت دل ہے صلاحیت دل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان اپنے باطن کو تمام ذمائم وخبائث سے پاک نہ کرے۔ زاویۂ دل کو غش وغل بغض وریاء حرص وآز، کبر ونخوت، حقد وحسد سے منزا رکھے اور ایسا کرنے میں انسان کو اپنے

قول و فعل میں مطابقت پیدا کرنی چاہیئے۔ ظاہر و باطن کو طغیان و عصیان اور اثم و بزہ کاری سے محفوظ رکھے۔ صغائر اور کبائر سے گریز کرے اور مزید کامل کی نشانی یہ ہے کہ کم از کم بیس سال تک بائیں ہاتھ کا فرشتہ اس کے نامۂ اعمال میں ایک بدی بھی نہ لکھے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں "خلوت اختیار کرنے کیلئے دس چیزوں کا موجود ہونا لازم و لابدی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ علم، جس سے انسان حق و باطل میں تمیز کر سکے اور اُسے صحیح خلوت نصیب ہو
۲۔ اسباب دُنیوی میں زُہد یعنی دُنیا سے بے رغبتی اختیار کرنی چاہیئے۔
۳۔ ہر کام میں نظر عقبیٰ کی جانب رکھنی چاہیئے۔
۴۔ خلوت محض سلامتیٔ طبع کی خاطر اختیار کرنی چاہیئے۔
۵۔ شدت و محنت کسی راحت و نعمت کے پیشِ نظر اختیار نہ کرے۔
۶۔ اپنے آپ کو جمیع خلق سے کمتر و احقر خیال کرنا چاہیئے۔
۷۔ عمل میں سُستی اور مداہنت نہ کرنی چاہیئے کیونکہ فراغت بمنزلہ بلا ہے
۸۔ اپنی حالت پہ تکبر نہ کرنا چاہیئے۔
۹۔ خانۂ دل کو تمام ذمائم سے خالی رکھنا چاہیئے۔
۱۰۔ ہر اس چیز سے قطع تعلق لازمی ہے جو یادِ حق میں مانع ہو۔

خلوت نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور نعمتوں کو یاد کرے اور آفرینشِ زمین و آسمان جنت و جہنم میں تفکر کرے۔ خلق میں تفکر کرے اللہ تعالےٰ کے بارے میں کبھی تفکر نہ کرے۔ اسے اپنا کارساز، کارکشا، رازق خالق اور مالک سمجھے۔

جب اللہ تعالےٰ سے تعلقِ عبدیت مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے تو پھر انسان

کا نفس شمس و قمر کی مانند درخشاں و تاباں ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بندہ اس حدیث قدسی کا مصداق بن جاتا ہے کہ جب میرا بندہ نفلی عبادت سے میرا تقرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ جب اسے یہ مقام یہ تقرب یہ اعزاز و اکرام حاصل ہو جاتے ہیں تو پھر مقصودِ حقیقی حاصل ہو جاتا ہے اور یہی دنیا و آخرت میں انسان کے لئے فوزِ عظیم ہے۔

حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب　　　گر دلیلت باید از وے رو متاب

حضرت شیخ صدرالدین عارف" اپنے والد حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کا عکس جمیل تھے۔ آپ اپنے پدر محترم کی رحلت کے بعد مسند خلافت پر فائز ہوئے علوم ظاہری و باطنی کا اکتساب اپنے والد سے ہی کیا۔ اُن کے فیضانِ نظر نے شیخ عارف کو اکسیر بنا دیا تھا اور آپ انہیں تعلیم و تربیت کے اثر سے اپنے زمانہ میں سرحلقۂ اولیاء تسلیم کئے جاتے تھے۔ چنانچہ محمد قاسم فرشتہ آپ کے روحانی اوصاف و کمالات کا بزبان مولانا جامی" یوں اقرار کرتے ہیں

آں گہرِ معدنِ حق الیقین　　　تازہ زآب کرمش باغِ دین

ولعۂ زہاکی بسالک جبل　　　خرقۂ وحدت بجلاء و ملا

لُجّۂ مواج دلِ پاک او　　　عقل فرو ماندہ در ادراکِ او

صدر نشین گشت بعرش بریں　　　گشتہ خطابش از خدا صدر دین

علاوہ ازیں آپ کے والد بزرگوار کے ایک مخلص مرید جن کا نام امیر حسینی تھا اور آپ کے فضل و کمال سے کلی طور پر آگاہ تھے۔ آپ کے روحانی مراتب و مدارج کا اقرار ان اشعار سے کرتے ہیں۔

آں بلند آوازۂ عالم پناہ ۔۔۔ سرور دین افتخار صدر گاہ
صدر دین و دولت آں مقبول حق ۔۔۔ نہ فلک از خوان جودش در طبق
آب حیواں قطرۂ بحر دلش ۔۔۔ چوں خضر علم لدنی حاصلش
معتبر چوں قول او افعال او ۔۔۔ ہم بیان او گواہ حال او
مقتدائے دین قبول خاص و عام ۔۔۔ در لقبش گفتہ تو ئی خیر الانام
سلک معنی جملہ در فرمان او ۔۔۔ ہم بہ کسب و ہم بمیراث آن او

"عارف" کی وجہ تسمیہ

آپ خاص و عام میں "عارف" کے لقب سے مشہور تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ تلاوت قرآن حکیم میں مشغول ہوتے تو آپ پر طرح طرح کے مطالب و معانی اور نو بہ نو اسرار و رموز معرفت عیاں ہوتے اور آپ کا دل انوار و تجلیات ربانی کا مہبط و مرکز بن جاتا تھا۔ بدیں باعث آپ کا لقب عارف مشہور ہو گیا۔ محمد قاسم فرشتہ اس لقب کی تائید ان سطور سے کرتے ہیں۔

ویرا عارف ازاں گویند کہ ہر بار ختم کلام اللہ کردے، سمند فکر بیشتر راندے، ووقتیکہ بتلاوت مشغول بودے اورا فوج فوج معانی رو نمودے۔

یعنی آپ کو عارف اس لئے کہتے ہیں کہ آپ ہر بار ختم کلام پاک کرتے۔ راہوار فکر کو خوب دوڑاتے اور جس وقت تلاوت میں منہمک ہوتے تو مطالب و معانی قرآن آپ پر فوج در فوج عیاں ہوتے۔

جب آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ کے حصے جدی وراثت

سے تقریباً سات لاکھ روپے آئے۔ طبیعت میں حد درجہ کا استغناء تھا۔ زر و مال دُنیا کی چنداں پروا نہ تھی۔ ساری کی ساری دولت فقراء و مساکین میں تقسیم کر دی اور اپنے پاس ایک ٹنکہ بھی نہ رکھا۔ کسی ارادت مند نے عرض کی "حضور آپ نے زرِ کثیر آن واحد میں تقسیم کر دیا حالانکہ آپ کے والد محترم دولتِ خطیر کے باوجود تھوڑا تھوڑا صرف کرتے تھے۔" آپ نے فرمایا "میاں! بابا" دُنیا پر غالب و مستولی تھے۔ اس لئے مال و زر انہیں کوئی گزند نہ پہنچاتے تھے۔ لیکن میں ابھی اس درجہ کا حامل نہیں ہوں۔ مجھے اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ مبادا میں دُنیا کے مال و زر کے فریب میں آ جاؤں اس لئے میں نے تمام دولت کو لٹا دیا ہے تاکہ کسی قسم کا کھٹکا نہ رہ جائے

اس سخاوت و فیاضی کے باوجود حضرت عارف" کے ہاں دولت کی کثرت و فراوانی رہتی تھی۔ کہتے ہیں ایک دفعہ حضرت شیخ رکن الدین فردوسی" جو حضرت شیخ شرف الدین منیری کے دادا پیر تھے دہلی سے ملتان تشریف لائے۔ تو شیخ صدرالدین عارف" سے اشتیاق ملاقات پیدا ہوا۔ جب آپ شیخ عارف" کے ہاں پہنچے تو ان کے ہاں علماء دفعتاً کو ایک بڑی تعداد میں موجود پایا۔ کھانے کا وقت آیا تو مائدہ پر ماکولاتِ متنوعہ موجود پائے۔ شیخ رکن الدین روزہ سے تھے۔ شیخ عارف" کے پہلو میں بیٹھ کر تبرکاً کھانے میں شریک ہو گئے اور دل ہی دل میں خیال کیا کہ صرف روزہ چھوڑنے پر ہی اکتفا کروں یا مزید کھاؤں۔ شیخ عارف نے اپنے علم لدنی[۱] سے ان کی ذہنی کشمکش کا احساس کر کے فرمایا

---

۱ کسی چیز کے کما حقہٗ جاننے کا نام علم ہے۔ حیات جس طرح ذات کے اقرب اوصاف میں سے ہے اس طرح علم بھی حیات کے اقرب اوصاف میں سے ہے۔ ہر زندہ کسی نہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

جس شخص سے ممکن ہو کہ حرارت باطن سے طعام کو تحلیل کر کے نورانی بنا دے اُسے قلتِ طعام و خوراک کی پابندی لازم نہیں۔ آپ مہمانوں کی از حد درجہ تعظیم و تکریم کرتے۔ اس خوف سے کہ کوئی بھوکا نہ رہ جائے۔ دستر خوان سے اپنا ہاتھ نہ روکتے

آپ کی ایک کرامت

اللہ کے نیک بندے ہمیشہ کرامات و خرق عادات سے گھبراتے ہیں لیکن پھر بھی ان سے ایسی عادات کا ظہور ہو جاتا ہے جو بظاہر خلافِ عقل معلوم ہوتی ہیں حضرت شیخ عارفؒ سے اکثر ایسی کرامات کا ظہور ہوا۔ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں ان کی کرامات سے ایک کرامت بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ تاتاریوں کی یلغار کو روکنے کے لئے سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے صاحبزادہ محمد خان شہید کو ملتان بھیجا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی جو سلطان رکن الدین ابراہیم بن شمس الدین التمش کی بیٹی تھی اور اپنے حسن اخلاق و میگساری سے سخت نالاں تھی۔ ایک روز شہزادہ نے بدمستی کے عالم میں اس عفت مآب لڑکی کو طلاق دیدی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱ سے آگے) کسی علم کو ضرور جانتا ہے۔ وہ علم خواہ الہامی ہو جیسے کہ حیوانات وغیرہ کو ہوتا ہے۔ خواہ بدیہی، استدلالی یا تصدیقی ہو جیسے کہ انسان، فرشتوں اور جنات کا علم ہے لیکن علم لدنی ایک ایسا علم ہے جو کسی کو اللہ تعالیٰ جل وعلا کے فضل خاص کے سوا حاصل نہیں ہوتا۔ اس علم کے حصول کے لئے کسی دنیوی استاد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لدن عربی میں قربت کو کہتے ہیں اور انسان جوں جوں اللہ ربّ العزت کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے اس پر حقائق و معارف اور اسرار و رموز کے دروازے کھلتے جاتے ہیں۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت سائیں توکل شاہؒ انبالوی اور سیدی و مرشدی حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ شرقپوری ظاہری تعلیم کم ہونے کے باوجود صاحبانِ علم لدنی ہیں۔

اور اُس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ لیکن تین دن گذرنے کے بعد اس سے ملنے کے لئے مضطرب اور بے قرار ہو گیا۔ علماء سے رجوع کے بارے میں استفسار کیا۔ لیکن انہوں نے سوائے حلالہ کے کوئی صورت و ترکیب نہ بتائی جس سے وہ بیوی کی طرف راغب ہو سکتا۔ لیکن محمد خاں شہید حلالہ ایسی کڑی شرط کو اپنی حمیّت و غیرت پر ضرب کاری سمجھتا تھا۔ فوراً خلوت میں گیا اور قاضی امیرالدین کو بُلا کر کہا: باپ کے غضب سے خائف و ترساں اور دوزخ سے لرزاں ہوں پر شہزادی کی مفارقت کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ قاضی نے فوراً ایک ترکیب بتائی کہ شہزادی کا نکاح شیخ عارف سے کر دیا جائے اور پھر اُن سے چپکے سے طلاق حاصل کر لی جائے۔ شہزادہ اس پر راضی ہو گیا اور شیخ عارف کا نکاح شہزادی سے کر دیا گیا۔ پھر دوسرے دن ان سے کہا گیا کہ شہزادی کو طلاق دے دیں۔ شہزادی کو معلوم ہوا تو وہ حضرت کے پائے اقدس پر سر رکھ کر کہنے لگی کہ اگر آپ مجھے اس فاسق و فاجر کے سپرد کر دیں گے تو بروز حشر آپ کی دامن گیر ہو کر کہوں گی بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ[1] شیخ کو اس کی الحاح و زاری پر رحم آ گیا اور آپ نے شہزادی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ شہزادہ سلطان محمد خاں شہید کو پتہ چلا تو حکم دیا کہ حضرت عارفؒ کے گھر کو خون سے لالہ زار بنا دیا جائے۔ شیخ کو خبر ہوئی تو کوہِ گراں کی طرح غیر متزلزل رہے! اسی دوران میں تاتاری اچانک حملہ آور ہو گئے اور شہزادہ کی فوج پسپا ہو گئی۔ بلکہ شہزادہ بھی ان کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ فرشتہ اس واقعہ کو تفصیل سے لکھنے کے بعد حافظ شیرازی کے مندرجہ ذیل شعر پہ داستان کو ختم کرتا ہے :

---

[1] کس گناہ کے باعث وہ قتل کی گئی (القرآن)

گنج قارون کہ فرو می رود از قہر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرتِ درویشانست

شہزادی شیخ کی زوجیت میں آکر شہزادہ کی عاداتِ قبیحہ سے نجات پا گئی اور واصلانِ حق سے ہو گئی۔ مگر حیرت و استعجاب کی بات ہے کہ فاضل مورخ نے اس روایت کی صحت کا لحاظ نہیں رکھا۔ کیونکہ شہزادہ محمد خاں شہید کے محامد و محاسن اور خصائل و شیم جو خود فرشتہ نے تحریر کئے ہیں اُن سے اس واقعہ کی تکذیب ہوتی ہے۔ پھر تاریخ فیروز شاہی شمس سراج اور تاریخ فیروز شاہی مولانا ضیاء الدین برنی میں اس واقعہ کا ذکر تک نہیں۔ شمس سراج اور ضیاء الدین برنی اس دور کے مستند اور قابلِ اعتبار مورخین ہیں۔

آپ کے خلفاء

آپ کی صحبتِ کیمیا اثر اور فیضانِ نظر سے بہت سے اربابِ جمال و جلال اور کمال پیدا ہوئے۔ اِن حضرات کی زندگیوں کا مقصدِ وحید مخلوقِ خدا کے اخلاق کی تہذیب تھا۔ چنانچہ آپ نے بہت سے مریدانِ باصفا کو خرقۂ خلافت عطا کر کے متعدد مقامات پر رشد و ہدایت کے چراغ جلانے کی تلقین فرمائی۔ اگر اوچ شریف شیخ جمال خنداں کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوا تو بدایوں شیخ حسام الدین ملتانی کے انوار سے منور ہوا۔ ان کے علاوہ مولانا علاء الدین خجندی اور احمد بن محمد قندہاری المعروف بہ معشوق اللہ حضرت عارف کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے۔

شیخ نے ان روحانی یادگاروں کے علاوہ ایک علمی یادگار کنوز الفوائد چھوڑی ہے۔ جو آپ کے ملفوظات پر محتوی ہے۔ اسے حضرت کے ایک مخلص ارادت کیش خواجہ ضیاء الدین نے مرتب کیا۔ گرچہ یہ کتاب نایاب ہے لیکن اخبار الاخیار مصنفہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ میں اس کتاب کے

اقتباسات جابجا نظر آتے ہیں۔ آپ ایک حدیث قدسی کے حوالہ سے فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لا الٰہ الا اللہ" میرا قلعہ ہے جو کوئی اس کے اندر داخل ہوا وہ تمام مصائب دشمن سے مصئون ہوا اور میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا پھر اس قلعہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حصن حصین (مضبوط قلعہ) کی تین قسمیں ہیں۔ ظاہر۔ باطن اور حقیقت

(۱) حصنِ ظاہر سے مراد صرف محض خوفِ خدا اور ماسوا اللہ سے کلّی انقطاع ہے

۲۔ حصنِ باطن سے مراد یہ ہے کہ موت سے قبل جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ اصلاً عارضی ہوتا ہے اور دُنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں۔ اس لئے کہ دنیا کی کوئی چیز بھی قابلِ التفات نہیں۔

۳۔ حصنِ حقیقت یہ ہے کہ دل کے کسی گوشہ میں آرزوئے خلد وجناں نہ ہو اور نہ ہی نارِ جہیم کا کھٹکا ہے۔ صرف اللہ ربّ العزت کا ہی اسمِ ذات ہو۔ دل میں جب یہ حقیقت راسخ ہو جاتی ہے تو باغِ نعیم اور جنت خود بخود انسان کے پیچھے پیچھے چلنے لگ جاتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ حضور سید المرسلین رحمۃ للعالمین کی اتباع و پیروی کی شرطِ اوّلین یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد بندہ اس پر استقامت اختیار کرے اور کسی قسم کے شک و شبہ کو اپنے پاس بھٹکنے نہ دے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات میں یکتا اور صفات میں یگانہ سمجھے۔ اُسے اسماء و صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم سمجھے بے مثل وادراک کی حد سے ماورا سمجھے۔ حدوث عوارض اور تجسّم کی علامتوں سے پاک اور منزّا خیال کرے۔

وصال

شیخ عارفؒ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کا خرقۂ خلافت اور دیگر

اشیاء جو آپ کو اپنے والد بزرگوار سے عطا ہوئی تھیں اپنے فرزند دلبند شیخ رکن الدین ابو الفتح قدس سرہٗ کو عطا کر دیں۔ اپنا خلیفہ و مسند نشین مقرر فرمایا اور جانِ شیریں کو جان و جہان آفریں کے سپرد کر دیا۔ تاریخ وفات "مندٌ الدین عارف" سے برآمد ہوتی ہے۔

آپ کا مرقد مبارک ملتان میں ہے اور آپ اپنے والد محترم حضرت غوث العالمین بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

شیخ رکن الدین ابوالفتح

عجب اللہ اکبر اقتدارِ رکنِ عالم ہو
سرفرازِ جہاں ہر خاکسارِ رکنِ عالم ہو
تجلی گاہِ انوارِ ازل ہے روضۂ حضرت
چراغِ طور قندیلِ مزارِ رکنِ عالم ہو

اُفقِ آسمانِ سہروردیہ سے طلوع ہونے والے اس ماہِ منیر اور آفتابِ درخشاں کا جسمی و جانی اور روحانی تعلق حضرت غوث العالمین بہاء الحق والدین زکریا ملتانی اور ان کے لختِ جگر و نورِ نظر حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ سے ہے۔ یعنی آپ شیخ بہاء الحق زکریاؒ کے پوتے اور شیخ صدرالدین عارفؒ کے لختِ جگر ہیں۔ آپ نے ان ہی دونوں بزرگانِ دین کی نظرِ فیض اثر سے روحانیت میں کمال حاصل کیا اور علوم معقول و منقول سے بہرہ مند ہوئے۔

آپ کی پیدائش

حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمتہ اللہ علیہ ۹ رمضان المبارک ۶۴۹ھ بروز جمعۃ المبارک رونق افروزِ عالم

ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام بی بی راستی تھا جو اپنے حسنِ کردار و اعمال اور اشغال میں اسم بامسمیٰ تھیں۔ انہیں ان کے نیک خصائل، تدین، تورع اور تقویٰ کے باعث "رابعہ بصریؒ" عصر کہا جاتا تھا۔ کلامِ پاک سے اس قدر شغف تھا کہ جب تک ایک بار ختم نہ کر لیتیں دل کو سیری نہ ہوتی۔ حضرت شاہ رکنِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کو اپنے خسرِ مکرم حضرت بہاء الحق زکریاؒ سے حد درجہ عقیدت تھی۔ کہتے ہیں ایک دن وہ اپنے خسرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضرت شیخ بہاء الحقؒ نے بخلافِ عادت اُن کی تعظیم و تکریم کی۔ شیخ کے اس عمل سے حضرت بی بی راستیؒ حیران ہو گئیں۔ جب شیخ نے اُن کے چہرے پر حیرانی کے آثار دیکھے تو فرمایا "اے بی بی! یہ تعظیم اُس شخص کی ہے جس کی تو حاملہ ہے۔ تیرا یہ بچہ سرتاجِ اولیاء، چراغِ اقلیمِ اصفیاء اور شمعِ ایوانِ اتقیاء ہوگا۔ اس کی ضیا پاشیوں سے ہزاروں افراد کے دل منور و مستنیر ہوں گے اور لاکھوں انسان صراطِ مستقیم اور جادۂ حق پر آجائیں گے۔

ایامِ طفولیت میں آپ کو لاڈ پیار سے "شاہ جلولہ" کہا جاتا تھا۔ رُوحانی و جسمانی پرورش غوث العالمین دادا کی نگرانی میں ہوئی۔ آپ سے بچپن میں ہی کراماتِ باہرہ کا ظہور ہونے لگا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ دودھ پلانے سے پہلے آپ کی والدہ وضو کر لیتی تھیں۔ آپ نے کلامِ مجید حفظ کر رکھا تھا۔ رضاعت کے دوران میں جب کلام اللہ کی تلاوت کرتیں تو حضرت شاہ رکنِ عالم کلام اللہ سن کر از حد خوش و خرم ہوتے۔ اذان

لے رابعہ عربی میں "چوتھی" چہارم کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں حضرت رابعہ بصریؒ اپنے والد کی چوتھی لڑکی تھیں۔ آپ ایک زبردست عالمہ، متورعہ، متدینہ اور ولیہ مستی تھیں۔ بصرہ میں سکونت کے باعث بصریہ کہلائیں۔ آپ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی ہمعصر تھیں۔ ان کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا زمانہ ہے

سن کر بھی آپ پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ آپ نہایت انہماک سے اذان کو سنتے جب آپ نے اپنی زبان سے پہلا حرف نکالا تو وہ "اَللّٰہ" تھا۔

چار سال کی عمر میں کھیل کود کے دوران میں آپ اپنے دادا حضرت غوث العالمین کی دستار اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ والدہ محترمہ نے منع فرمایا تو حضرت غوث نے فرمایا! کچھ نہ کہو۔ یہ میری مسند و دستار کا مالک ہوگا۔ چنانچہ یہی دستار بہ حفاظت رکھ لی گئی۔ اور جب آپ زیب مسندِ مشیخیت ہوئے تو آپ کے سر پر وہی دستار مقدس رکھ دی گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت کا بچہ سخت بیمار ہوا۔ علاج و معالجہ کے باوجود اس کی حالت دگرگوں ہوتی گئی اور نزع کے آثار نمایاں ہو گئے۔ بچہ کو جان کنی کے عالم میں حضرت غوث ملتانی" کی خدمت میں لے گئی اور اس کی صحت و تندرستی کے لئے دعا کی طالب ہوئی۔ حضرت نے فرمایا "اللہ کو منظور یہی ہے کہ تیرا نورِ نظر اس دارِ فانی سے دارِ عقبیٰ کی طرف چلا جائے۔ حضرت کی زبان سے یہ الفاظ سن کر عورت روتی دھوتی روانہ ہوئی۔ خوش قسمتی سے راستہ میں اُسے حضرت شاہ رُکن عالم" کھیلتے ہوئے مل گئے۔ آپ نے فرمایا "مائی کیا بات ہے؟" عورت بولی حضرت غوث کے دربار سے بصد حرمان و مایوس واپس جا رہی ہوں۔ یہ سن کر آپ نے عورت سے کہا "تیرا بچہ تو زندہ ہے کون کہتا ہے یہ مُردہ ہے؟ بچہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے زندہ ہو گیا اور عورت خنداں و شاداں گھر چلی گئی حضرت غوث نے سنا تو فرمایا "بیٹا! ایسی جسارت آئندہ نہ کرنا کیونکہ اہلِ طریقت ایسی دلیری کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

انوارِ غوثیہ کے مؤلف فرماتے ہیں کہ شاہ رُکن عالم" سات برس کی عمر میں پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ نماز ہمیشہ "وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ" کے حکم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کرتے۔ عبادت و ریاضت، تقویٰ و طہارت، پاکیزگی و پرہیزگاری میں یکتائے زمانہ

تھے۔ پند و نصائح، شفقت و موافقت، اُلفت و محبت، مروت و مودت، بُردباری و تحمل حُسنِ خلق اور حُسنِ ظن میں لاثانی تھے۔ ربّ العزت نے آپ کو علم و حیا، صدق و صفا، عفو و وفا اور جود و سخا کا ایک بحرِ بیکراں بنا دیا تھا۔ آپ کا اکثر وقت ذکرِ خفی[1] (LATENT REMEMBRANCE) اور ذکرِ جلی (PATENT REMEMBRANCE) میں گزرتا۔ ریاضت و مجاہدہ میں اس جفاکشی اور جانفشانی سے کام لیتے کہ دیگر اہلِ مجاہدہ حیران و ششدر رہ جاتے۔ دس برس کی عمر میں احوال و کشفِ قبور اور کشفِ قلوب میں فائق ہوئے اور اس کے پندرہ برس بعد کمالاتِ صُوری اور معنوی کا اُسوۂ کاملہ بن گئے۔

آپ ریاضت و مجاہدہ میں حضرت سُلطان شیخ ابوسعید ابوالخیر[2] کی روش پر چلتے تھے۔ کشفِ قلوب کا یہ عالم تھا کہ ہر پاس بیٹھنے والے کے دل کے خطرات و خواہشات سے آگاہ ہو جاتے اور طیِّ ارض کا یہ حال تھا کہ طرفۃ العین میں کہیں کے کہیں پہنچ جاتے

۱۔ یادِ الٰہی میں جمیع غیر اللہ کو دل سے فراموش کر کے حضورِ قلب کے ساتھ قرب و محبتِ حق تعالیٰ کے انکشاف حاصل کرنے کی کوشش کو ذکر کہتے ہیں۔ چنانچہ ہر وہ چیز جس کے توسّل سے یادِ حق ہو خواہ اسم ہو یا رسم۔ فعل ہو یا جسم، کلمہ ہو یا نماز یا تلاوتِ قرآن یا درود پاک، یا ادعیہ یا کیفیات یا کوئی اور چیز جس سے مطلوب کی یاد ہو اور طالب و مطلوب میں رابطہ پیدا ہو یا بڑھے۔ اصطلاحِ تصوف میں ذکر کے نام سے موسوم ہے۔ چنانچہ بندگانِ خدا کے جملہ افعال و اقوال و احوال جو یادِ حق سے خالی نہیں رہتے اذکار ہیں۔ ذکر کا کمال یہ ہے کہ ذاکر و مذکور کے درمیان سے جملہ حجابات اُٹھ جاویں۔

۲۔ حضرت سلطان ابوسعید فضل اللہ بن ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے علاقہ خاوران میں پیدا ہوئے سالِ پیدائش ۳۵۰ھ بمطابق ۹۶۱ء ہے۔ خاوران میں تعلیم پائی۔ فقہی تعلیم کے لئے مرو تشریف لے

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت سید جلال الدین بخاری المعروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت (۷۰۷ تا ۸۲۰) کے ملفوظات "جامع العلوم" میں مرقوم ہے کہ حضرت شیخ رکنِ عالم ہر جمعہ کی شب کو اور دو شنبہ کی شب کو مکۂ معظمہ میں مسجد حرام میں نماز ادا کرتے اور بعد ازاں مدینہ منورہ پہنچ کر حضورِ رسالت مآب میں تحفۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے۔

آپ کے علوِ مرتبت اور مدارجِ روحانیہ کے متعلق مؤلف "سیر العارفین" شیخ جمالی بدیں الفاظ گویا ہیں۔

جہانِ معرفت سلطانِ معنی — وجودش آیتے در شانِ معنی
دلش از طلعتِ اسرار مسرور — ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت رفتہ بیباک — بظاہر در شریعت چست و چالاک
بملکِ فقر از کشف و کرامات — زدہ بر عرش کوسِ انتقامات
کلامش پاک از طامات و از شطح — یگانہ شیخ رکن الدین ابو الفتح

بملکِ فقر جز نعمت نبودش
جمالی ریزہ چینِ خوانِ جودش

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰ سے آگے) گئے۔ وہاں شیخ عبداللہ الحصری سے تلمذ کیا۔ روحانی اکتساب حضرت شیخ المشائخ ابوالفضل سرخسیؒ ابوالعباس قصابؒ اور حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ سے کیا۔ خرقۂ خلافت و طریقت حضرت ابو عبدالرحمٰن سے عطا ہوا۔ آپ نہایت شیریں گفتار اور صلح کل انسان تھے اُمراء سے جو کچھ ملتا غرباء میں تقسیم کر دیتے۔ مرنجان مرنج طبیعت پائی تھی۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے یہاں تک عشرت پسند رندوں سے بھی ملنے سے احتراز نہ فرماتے۔ آپ نے ۴۴۰ھ میں قصبہ مہنہ ولایت خاوران میں وفات پائی۔ رُباعیاتِ شیخ ابوسعید ابوالخیر حقائق و معارف کا گنجینہ ہیں۔

آپ سلاطین و مشائخ دونوں کو شرف باریابی بخشا کرتے اور انہیں اپنے فیوض و برکات سے متمتع ہونے کے مواقع بخشتے۔ مشائخ و سلاطین سے ملتے وقت ان کے مراتب و مدارج کو ضرور بدنظر رکھتے تھے۔ بزم صوفیہ میں منقول ہے کہ آپ سلطان علاءالدین خلجی کے عہد میں ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے تو سلطان نے نہایت تزک و احتشام اور کرو فر سے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کو نہایت اعزاز و اکرام سے دہلی لایا اور تقریباً دو لاکھ کے قریب سکہ رائج الوقت خدمت میں پیش کیا اور پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ ٹنکے اور نذر کئے۔ حضرت نے دہلی کو خیرباد کہنے سے قبل یہ تمام رقم تقسیم کر دی جس کے نتیجے میں کئی ہزار مساکین و غرباء تنگی و عسرت کی زندگی سے نجات پا گئے آپ سلطان وقت کے اس اعزاز و اکرام کے باوجود فرماتے تھے کہ میں صرف دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء کی محبت اور شوق ملاقات میں آتا ہوں۔ کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بھی آپ سے کمال شفقت و محبت اور مہر و مروت سے پیش آتے اور دل سے اشتیاق ملاقات کا اظہار کرتے چنانچہ جب حضرت رکن عالمؒ دہلی تشریف لائے تو آپ کے پاس حضرت سلطان اولیاءؒ بھی اپنی جلالت و عظمت کے ساتھ شیخ عالم کے لئے چشم براہ پائے گئے۔

دہلی میں ضیف شاہی ہوتے ہوئے بھی آپ اپنا وقت حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس ہی گزارتے تھے۔ دونوں حضرت ایک دوسرے کا غیر معمولی اجلال و اکرام کرتے تھے۔ حضرت شیخ عالمؒ جب بھی دہلی تشریف لاتے تو نماز جمعہ دہلی کی جامع مسجد میں ادا کرتے۔ ایک دفعہ جب شیخ العالمؒ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے جامع مسجد میں تشریف لے گئے تو حضرت محبوب الٰہی بھی وہاں موجود تھے۔ نماز ادا کرنے کے بعد حضرت محبوب الٰہی ایک وسیع صحن سے گزرتے ہوئے حضرت شیخ العالم کے پاس پہنچے اور اُن کے فارغ ہونے تک ان کے عقب میں سکوت و خاموشی سے بیٹھ گئے۔ جونہی آپ

فارغ ہوئے آپ نے ان سے والہانہ معانقہ کیا۔ پھر حضرت صدر رکن عالم کا ہاتھ پکڑ کر اسی جگہ واپس چلے گئے جہاں سے آئے تھے۔ پھر جب مسجد سے روانہ ہونے لگے تو ایک دوسرے سے اصرار کرنے لگے کہ پہلے وہ ڈولے میں سوار ہوں آخر کار حضرت محبوب الٰہی کا اصرار غالب رہا اور حضرت رکن عالمؒ ان سے پہلے اپنے ڈولے میں سوار ہوئے۔

ان ہی دنوں شیخ رکن الدین عالم کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی لیکن آپ اس تکلیف کے ہوتے ہوئے بھی حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ پر اُن کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت رکن عالمؒ نے اپنی پالکی سے اترنے کی کوشش کی لیکن حضرت محبوب الٰہی نے روک دیا کہ آپ ایسا نہ کریں۔ چنانچہ آپ چند ارادت کیشوں کے ساتھ اُن کے ڈولے کے پاس آئے۔ جونہی یہ دو ستارے ایک ہی برج میں مجتمع ہوئے تو حضرت رکن عالمؒ کے بھائی حضرت عماد الدین اسماعیلؒ نے چاہا کہ بعض دقیق مسائل حل ہو جائیں۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر استفسار کیا کہ حضور علیہ السلام کی ہجرت کا کیا مقصد تھا؟ شیخ عالمؒ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی مدینہ منورہ کی ہجرت پر ہی منحصر تھی۔ اسی لئے آپ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت پذیر ہوئے۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا " میری دانست میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مدینہ مطہرہ میں اس لئے بھیجا کہ حضور کے وہ صحابہ کرامؓ جو غربت و تنگدستی کے باعث مکہ معظمہ میں حاضری سے قاصر تھے وہ بھی تاجدار عرب وعجم کی ذات بابرکات سے استفاضہ و استفادہ کرکے ظاہری و باطنی کمالات میں کامل و اکمل ہو جائیں۔ اس گفتگو کے اختتام پر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے دریں کھانا منگایا اور کھانے کے بعد صدری پرنیاں کے پارچات اور ایک سو اشرفیاں حضرت رکن عالم کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیں۔ اشرفیوں کو دیکھتے ہی شیخ عالمؒ نے فرمایا " اِسْتُرْ ذَهَبَكَ " اپنے سونے کو ڈھانپئے لیکن محبوب الٰہی نے برجستہ فرمایا " اِسْتُرْ ذَهَبَكَ وَ ذَهَابَكَ وَ مَذْهَبَكَ " یعنی

آپ اپنے سونے کو اپنی چال کو اور اپنے رات کو چھپا لیتے۔ جب شیخ رکن عالمؒ نے حضرت نظام الدین اولیاء کے نذرانوں کو قبول کرنے میں ذرا تامل کیا تو آپ کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل کو پیش کر دیئے۔

حضرت شیخؒ کی غذا نہایت تھوڑی لیکن مقوی اجزاء سے پُر ہوتی تھی۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ ریاضت و مجاہدہ کے دوران میں آپ کے قویٰ میں اضمحلال پیدا نہ ہوتا۔ زیادہ تر میوے استعمال ہوتے تھے جن کو دودھ یا گھی میں جوش دے دیا جاتا تھا اور آپ اسے تناول فرما لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد کسی اور چیز کی حاجت نہ رہتی تھی۔ حضرت مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں کہ حصول علم کے لیے جب وہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے مشروبات میں سے کچھ حصہ انہیں بھی مل جانے لگا۔ اس سے قویٰ میں غیر معمولی طاقت محسوس ہونے لگی۔ وہ فرماتے ہیں کہ شیخ عالمؒ کہا کرتے تھے کہ سالک کی غذا ایسی ہونی چاہیئے جس میں کمیت کم اور کیفیت زیادہ ہو۔

ایک دن آپ کے متوسلین نے طبیب ملتانی سے کہا کہ آپ کچھ نہیں کھاتے طبیب ملتانی آیا تو شیخ عالمؒ کے لیے حسب سابق غذا لائی گئی تو آپ نے اس میں سے چند لقمے تناول فرمائے اور کسی قدر طبیب ملتانی کو بھی کھانے کے لئے کہا۔ طبیب ملتانی نے کھانے کے بعد کہا" اب مجھے سات روز تک غذا کی حاجت نہ ہوگی۔ ایسی غذا جو شخص کھاتا ہے اسے طاقت و وضو میں طاقت حاصل ہوتی ہے۔"

حضرت شیخ عالمؒ کے دہلی میں زمانہ قیام میں حضرت فرید الدین گنج شکر کے عُرس کا زمانہ آگیا۔ چنانچہ دہلی میں بھی پاکپتن کی طرح ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ اس محفل میں شیخ رکن الدین عالم نے بھی شرکت فرمائی۔ مجلس سماع گرم ہوئی تو حضرت محبوب الٰہی پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہوگئی اور اضطرابی کیفیت میں کھڑا ہونا چاہا لیکن شیخ رکن الدین نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ چند دقیقے بعد پھر حالت وجد شروع ہوئی تو پھر کھڑے ہوگئے۔ اس دفعہ شیخؒ نے اُن کو بٹھانے کی کوشش نہیں کی۔

بلکہ دوسروں کی طرح خود بھی ایستادہ ہو گئے۔ مجلس کے اختتام پر مولانا علم الدین نے ایستادہ ہونے کا سبب پوچھا تو شیخؒ نے فرمایا "پہلی بار شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی رسائی عالم ملکوت[1] تک ہوئی تھی وہاں تک میری رسائی ممکن تھی۔ اس لئے میرا ہاتھ پہنچ گیا اور ان کو بٹھا دیا۔ دوسری بار ان کی رسائی عالم جبروت میں ہوئی وہاں تک میری رسائی نہ تھی اس لئے میں نے مزاحمت نہ کی۔

مصنف سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت رکن عالمؒ ملتان سے دہلی تشریف لائے۔ حضرت محبوب الٰہی بھی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ حج کے ایام تھے اس لئے جب حضرت رکن عالم سلطان المشائخ سے ملے تو فرمایا کہ یہ حج کے ایام ہیں۔ میں حج کی زیارت سے تو محروم ہی رہا لیکن بحمداللہ آپ کی زیارت سے مجھے حج کا ثواب ضرور مل جائے گا۔ یہ سن کر حضرت محبوب الٰہی کی آنکھیں میں آنسو آگئے اور اظہارِ ندامت کیا۔

یہ باتیں حضور کی تھیں۔ دونوں بزرگ غیاب میں بھی ایک دوسرے کے احترام و توقیر میں فرق نہیں آنے دیا کرتے تھے۔ ایک بار ایک خراسانی عالم نے حضرت محبوب الٰہی سے عرض کی کہ جب میں آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتا ہوں تو آپ مجھے کچھ نہ کچھ کھلا پلا دیتے ہیں۔ مگر حضرت رکن عالم کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوا ہوں انہوں نے کبھی کوئی چیز نہیں کھلائی پلائی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں حضور علیہ السلام کی اس حدیث مقدسہ پر عمل کرتا ہوں:

عالم ملکوت: وہ عالم ہے جو نفوس، ارواح اور ملائکہ کے لئے مخصوص ہے۔

عالم جبروت: صوفیاء کی اصطلاح میں "مرتبہ وحدت" مرتبہ صفات اور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہیں۔

مَنْ زَارَ حَیًّا وَلَمْ یَذُقْ مِنْهُ شَیْئًا فَکَاَنَّمَا زَارَ مَیِّتًا" یعنی جو شخص زندہ کی زیارت کرے اور اس سے مزہ نہ پائے تو گویا اس نے مردہ کی زیارت کی۔ خراسانی عالم نے پوچھا کیا شیخ اس حدیث سے نابلد ہیں؟ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا "شیخ رکن الدین حقیقی عمل کرتے ہیں اور وہ ذوق روحانی چکھاتے ہیں۔

فیوض و برکات

ہر اللہ والا فیوض و برکات کا بحر زخار ہوتا ہے حضرت شیخ رکن عالمؒ بھی فیض و برکت اور روحانیت کے ایک بحر بیکراں تھے۔ آپ کی ذات والا صفات سے مخلوق خدا کو بہت فیض پہنچا ہزاروں محتاج حاجت روائی اور ہزاروں مغلوب کارکشائی کے لئے حاضر ہوتے کوئی ہی بدقسمت ہوگا جو آپ کے دربار سے خالی گیا ہو چنانچہ مخلوق کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے باعث آپ "قبلہ حاجات" مشہور ہو گئے تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ چلتے وقت دونوں ہاتھ ڈولے سے باہر رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ شاید کسی اللہ کے نیک بندے کا ہاتھ میرے ہاتھ سے لگ جائے تو میں بھی بخشا جاؤں۔

حضرت شیخ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے حد درجہ محبت و الفت تھی۔ آپ حضرت سلطان الاولیاءؒ کی زیارت کو کعبہ سے تشبیہ دیتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہی سے حضرت شیخ رکن عالمؒ کی محبت و الفت اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے خلیفہ خاص حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح کو حضرت محبوب الٰہی کی قربت و حضوری کی خاطر دہلی میں ہی قیام کرنے کا حکم دیا تھا۔ شیخ عثمان جن کا مزار دہلی میں ہے جب سنام سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے دہلی پہنچے تو ایک دن کیلو گری میں نہر کے پاس حضرت شیخ رکن عالم کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ اُن کے چہرہ پہ نظر پڑی تو قلب و جان انوار الٰہی کا مرکز بن گئے اور اسی جگہ حضور کے مخلص ارادت مندوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت شیخ

رکن الدین ان کو اپنے ساتھ ملتان لے گئے اور ایک عرصہ ان کو اپنے فیوض و برکات سے نوازتے رہے۔ اسی عرصہ میں کلام اللہ حفظ کیا اور حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی مشہور امام کتاب "عوارف المعارف" پڑھتے رہے۔ شیخ رکن الدین عالمؒ خود فرماتے ہیں کہ جس دن سے شیخ عثمان میرے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اسی روز سے انہوں نے دُنیا ترک کر دی اور تجرد اختیار کر لیا۔ ایک تہ بندگے علاوہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں رہتی تھی۔ آپ اسی بے سرو سامانی کے عالم میں زیارت حرمین الشریفین کو روانہ ہو گئے۔ ایک سال تک مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ کعبہ شریف کے طواف کے دوران میں چشم بصیرت سے دیکھا کہ جناب خضر علیہ السلام ان پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے اور اسی وقت دوسرے ممالک کی سیر و سیاحت کو روانہ ہو گئے۔

سات برس کے طویل عرصہ کے بعد ملتان مراجعت کی۔ مرشد نے کمال اشتیاق سے معانقہ کیا۔ سر کو بوسہ دیا اور فرمایا "تم نے یہ بہت اچھا کیا۔ جب خضر علیہ السلام کا ہاتھ سر پہ دیکھا تو مسافرت اختیار کر لی ورنہ مخلوق کے فتنہ میں پڑ جاتے۔ یہ کہہ کر اپنا گرتہ اپنے محبوب و مخلص مرید کو پہنا دیا اور اپنی دستار اس کے سر پہ رکھ دی چند روز قیام کے بعد دہلی روانہ کر دیا۔ رخصت کرتے وقت فرمایا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے قریب ہی قیام کرنا۔ وہاں پہنچنے پر سب سے پہلے میرا سلام کہنا اور اُن کے ہدایات کے مطابق سکونت پذیر ہونا۔ شیخ عثمان نے اپنے مرشد کے ارشادات پر حرف بحرف عمل کیا۔ جب مرشد کا سلام پہنچایا تو انہوں نے کھڑے کھڑے وعلیکم السلام فرمایا۔ شیخ عثمان حضرت محبوب الٰہی سے والہانہ محبت کے باعث مشہور ہو گئے۔ انہیں ذوق و ذوقِ سماع پہلے ہی تھا لیکن محبوب الٰہی کے تعلق سے اور اضافہ ہو گیا۔ ایک دن اپنی قیام گاہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک

امیر حسن قوال پر نظر پڑ گئی۔ امیر حسن حضرت محبوب الٰہی کے محبوب ترین قوال تھے۔ آپ اس کے گانے پر بہت فریفتہ تھے۔ امیر حسن بھی حضرت محبوب الٰہی اور شیخ عثمانؒ کے روحانی رشتہ سے آشنا تھے۔ اُن کو دیکھ کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ عثمانؒ امیر حسن قوال سے نہایت اُلفت و مہربانی سے پیش آئے اور کچھ سنانے کے لئے کہا۔ ان دنوں بادشاہِ وقت نے سماع پر سخت قدغن لگا رکھی تھی اس لئے امیر حسن نے کچھ سنانے میں تامل کیا۔ حضرت شیخ عثمانؒ گانے پر مُصر ہوئے۔ امیر حسن نے خائف و ترساں مدہم آواز میں گانا شروع کیا۔

زاہد ز دیں برآمد و صوفی ز اعتقاد ترسا محمدی شد و عاشق ہماں کہ ہست

یعنی زاہد دین سے اور صوفی اعتقاد کے دائرہ سے نکل گیا، عیسائی مسلمان ہو گیا اور عاشق میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ عاشق عاشق ہی ہے۔

امیر حسن کے تکرار سے شیخ عثمانؒ نہایت متکیف ہوئے اور بے خودی کے عالم میں تواجد و چرخ کرنے لگے۔ اور امیر حسن سے باآواز بلند گانے کو کہا۔ وہ بھی شیخ کے جذب و مستی کو دیکھ کر بے اختیار ہو گیا۔ اور دل کھول کر گانے لگا۔ شیخ عثمانؒ نے اسی شوق و مستی میں دروازہ کھولنے کا حکم دیدیا۔ دریں اثناء اور بہت سے قوال آگئے اور یہ محفل سماع جذب و کیف اور مستی و سرور سے معمور ہو گئی۔ شہر کے تمام صوفیاء اس محفل میں شریک ہوتے گئے اور کئی ہزار تماشائیوں پر وجد طاری ہو گیا۔ شیخ عثمانؒ وہی شعر جو امیر حسن قوال نے شروع میں پڑھا تھا۔ پڑھتے ہوئے مکانیت کی حدود سے باہر آگئے اور تغلق آباد کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ قوال بھی ساتھ ساتھ گاتے جاتے تھے اور پیچھے پیچھے لوگوں کا ایک جمِ غفیر تھا۔ اسی عالم میں تغلق آباد کے شاہی محل کے نزدیک پہنچ گئے۔ سلطان غیاث الدین کو کسی فتنہ کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ملک شادی خان کو تحقیقات

کے لئے بھیجا اُس نے اطلاع دی کہ شیخ عثمان نے مکانیت و اخوانیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے محفل سماع قائم کر رکھی ہے۔ یہ سن کر سلطان برہم ہو گیا مگر پھر اُس نے اس فہرست کو منگا کر دیکھا جس میں ان درویشوں اور فقراء کے نام تھے جنہوں نے ان کے حریف تخت و تاج کے دعویدار خسرو خاں سے رشوتیں لی تھیں۔ اس فہرست میں شیخ کا نام نہ تھا۔ اس لئے بادشاہ کا غیظ و غضب مہر و محبت میں تبدیل ہو گیا۔ وہ شیخ عثمان کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ حکم دیا گیا کہ شیخ عثمانؒ اور ان کے رفقاء کو قصر شاہی میں قیام کرایا جائے اور شاہی مطبخ سے ان کی ضیافت و مہمان نوازی کی جائے۔ چنانچہ فقراء اور صوفیا کی یہ جماعت تقریباً تین دن تک شاہی مطبخ سے کھانا کھاتی رہی۔ جب شیخ عثمان رخصت ہونے لگے تو بادشاہ نے ایک رقم خطیر پیش کی جو انہوں نے قبول نہ کی اور غیاث پور کی طرف چل دیئے۔ یہ واقعہ اس مختصر سے پہلے لکھا ہے جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے حال میں آ چکا ہے۔

آپکی علماء و فضلاء اور درویشوں سے محبت

حضرت شیخ رکن عالمؒ کو علماء کرام اور فضلاء عظام بالعموم اور درویشان باصفا سے بالخصوص محبت و الفت تھی۔ اُن سے نہایت خلوص اور اشتیاق سے ملتے تھے اور تعظیم و تکریم میں مبالغہ سے کام لیتے تھے۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ فرماتے کہ ایک بار ایک شخص حضرت رکن عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ وہ آپ کے اساتذہ کی اولاد میں سے ہے۔ حضرت نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ آپ نے اس کے والد سے کبھی سورۂ اخلاص کا سبق لیا تھا پھر فرمایا: تم میرے آقا زادے ہو۔ مجھے اسی طرح حکم دو جس طرح ایک مالک اپنے غلام کو دیتا ہے۔ اُس نے متاع دنیوی کے لئے عرض کیا۔ حضرت شیخ رکن عالم

نے اس کو اسی وقت دس ہزار ٹنکے مرحمت فرمائے۔

لقب ابوالفتح کی وجہ تسمیہ

آپ ابوالفتح کے گرامی لقب سے بدیں باعث مشہور ہوئے کہ آپ اپنے باطنی انوار و تجلیات سے اپنے تمام متوسلین اور ارادت مندوں کے دلوں کے احوال و خطرات معلوم کر لیتے تھے۔ مجمع الاخبار میں منقول ہے کہ ایک دفعہ بادشاہِ وقت نے ظہیر الدین بیگ سے پوچھا کہ تم نے شیخ رکن الدین عالم کی کوئی کرامت دیکھی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک دن لوگ ان کی دست بوسی اور قدم بوسی کر رہے تھے تو میرے دل میں خیال آیا شاید شیخ کے پاس تسخیر کا کوئی عمل ہے۔ میں بھی عالم ہوں لیکن میری طرف کوئی توجہ نہیں فرماتے۔ میں نے ارادہ کیا کہ اگلے دن شیخ سے وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی حکمت دریافت کروں گا۔ رات کو سویا تو دیکھا کہ شیخ مجھے حلوہ کھلا رہے ہیں جس کی شیرینی و حلاوت صبح تک زبان پر رہی میں نے اس کرامت کو شیطانی مکر و فریب پر محمول کیا۔ صبح کو جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا "میں تمہارا ہی منتظر تھا۔ پھر دوران گفتگو میں فرمایا" جنابت دو قسم کی ہوتی ہے۔ جنابت جسم اور جنابت دل۔ جنابت جسم کا سبب تو بالکل واضح ہے مگر جنابت دل ناہموار آدمیوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے لیکن دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے دور ہوتی ہے۔ اس کے بعد پانی کے تین اوصاف بیان فرمائے۔ رنگ' مزہ اور بو" پھر فرمایا شریعت مطہرہ نے وضو کے دوران میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو اس لئے مقدم رکھا ہے کہ کلی کرنے سے مزہ معلوم ہو جاتا ہے اور ناک میں ڈالنے سے اس کی بو معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا جس طرح نبی کی صورت میں شیطان ظاہر نہیں ہو سکتا اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی شیطان ظاہر نہیں ہو

سکتا۔ کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کاملہ حاصل ہوتی ہے۔ شیخ ظہیر الدین بیگ کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت شیخ رکن الدین عالم کی زبان سے یہ کلمات نکل رہے تھے تو اس وقت میرے جسم سے پسینہ جاری تھا

وضو کے بعد دعائے وضو پڑھتے۔ ایک روز دعا پڑھنا بھول گئے اور صرف الحمد للہ ہی کہا۔ خادم خاص نے حضرت کے نانا جانؒ سے جاکر کہہ دیا کہ آج حضرت نے صرف "الحمد للہ" ہی پڑھا ہے اور کوئی دعا نہیں پڑھی۔ وہ شیخ رکن الدین عالمؒ کے پاس آئے اور وجہ دریافت کی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔

"آج وضو میں دُنیا اور آخرت کا خیال دل میں نہیں گذرا تو میں سمجھا کہ آج میرا وصال ہے۔ اس لئے صرف "الحمد للہ" کہا۔"

حضرت اپنی وفات سے تین ماہ پہلے ہی گوشہ نشین ہو گئے تھے اور سوائے نماز فرض کے اپنے حجرہ سے باہر نہ آتے تھے۔ آخر ۱۶ رجب المرجب ۷۳۵ھ کو بروز پنجشنبہ بعد از نماز عصر آپ نے اپنے خادم خاص کو بلایا اور اپنی تجہیز و تکفین کے بارے میں وصیت فرمائی۔ چونکہ آپ کے ہاں اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے خرقہ، مسند و خلافت اپنے ایک بھائی کو عطا کیا اور نماز مغرب ادا کرتے ہوئے جانِ شیریں جہانِ جانِ آفریں کے سپرد کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون "

روضۂ انور ملتان میں ہے جو برِ صغیر پاک و ہند کی عمارات میں عمدہ ترین عمارت ہے۔ سندھ کے لوگ آپ سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں اور جب تک ملتان میں رہتے ہیں پا برہنہ چلتے پھرتے ہیں۔

تعلیمات

آپ کی کوئی ایسی تصنیف و تالیف دستیاب نہیں جس سے آپ کے ارشادات و ملفوظات کا مطالعہ کیا جاسکے تاہم۔ مجمع الاخبار جو آپ کے ایک مرید کی تالیف ہے، میں آپ کے وصایا اور

ملفوظات مرقوم ہیں۔ جن کے خال خال اقتباسات اخبار الاخیار میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے نقل کئے ہیں۔ ان اقتباسات سے آپ کی متصوفانہ تعلیمات کا پتہ چلتا ہے۔ اپنے ایک مخلص مرید کو لکھتے ہیں

آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت اور صفت۔ ان دو اشیائیں سے درخورِ اعتبار آدمی کی صورت ہے۔ خدائے لم یزل صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے اگر کسی کا دل اوصاف ذمیمہ سے بھرا ہوا ہو تو اس کا شمار حیوانات و بہائم میں ہے اوصاف ذمیمہ کو دُور کرنے کے لئے تزکیۂ نفس کی ضرورت ہے اور تزکیۂ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک بندہ اپنے خالق حقیقی سے استعانت و استمداد نہ کرے۔ استعانت و استمداد کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے فضل و رحمتِ الٰہی کی یہ نشانی ہے کہ بندہ کی چشم بینا میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور عظمتِ الٰہی کے انوار کے پَرتو سے ساری کائنات اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے اور جب یہ حالت اس کے قلب و دل پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو اس کے اوصاف فرشتوں کے اوصاف ہو جاتے ہیں۔ اور اس میں ظلم کی بجائے عفو، غضب کی بجائے حلم، تکبّر کی بجائے تواضع، بخل کی بجائے سخاوت اور حرص کی بجائے استغناء کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مگر یہ خوبیاں عقبیٰ کے طلب کرنے والوں کے لئے ہیں۔ طالبانِ حق کے اوصاف اور بھی بلند تر ہیں۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے ہر شخص کی عقل کام نہیں دیتی۔

فرمایا کرتے تھے کہ اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً، فعلاً اور عملاً باز رکھنا چاہیئے۔ لایعنی مجالس سے گریز لازم ہے۔ لایعنی مجالس سے مراد ایسی مجالس ہیں جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کر کے دنیا کی طرف مائل کرتی ہیں۔ بطالوں سے بھی احتراز ضروری ہے۔ بطّال وہ لوگ ہیں جو طالبِ دُنیا ہیں طالب حق نہیں ہیں۔

شیخ المشائخ حضرت صدرالدین محمد حاجیؒ

حضرت صدرالدین محمد حاجیؒ، حضرت رکن الدین ابوالفتحؒ کے بھائی کے نورِ نظر تھے حضرت شیخ عالمؒ کی اولاد نرینہ نہ تھی۔ آپ نے انہیں اپنے ہی لختِ جگر کی طرح پالا۔ اور انہیں زیورِ تعلیم سے آراستہ اور اخلاقِ حسنہ سے پیراستہ کرنے کے لئے جید علمآ و فضلا کو مامور فرمایا۔ جن حضرات کے سپرد آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی ان میں سے حضرت حمید الدین حاکمؒ کا نام سرِفہرست ہے۔ یہ اُن کے نگرانِ اعلیٰ تھے

حضرت صدرالدین حاجی محمدؒ جوان ہو کر نہایت خدا ترس، حلیم و متواضع اور عالم و فاضل نکلے۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے یہ وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میری مسند کا وارث صدرالدین محمدؒ کو بنایا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ کو مسندِ رکن الدین عالمؒ پر بٹھادیا گیا۔ آپ نے مسند ارشاد پر جلوہ آرا ہوتے ہی مدرسہ و خانقاہ کے انتظام و انصرام کی طرف توجہ خاص دی اور لنگر اُسی انداز سے چلایا جس انداز سے آپ کے آباء و اجداد کے زمانہ میں چلتا تھا۔

"شیخ الاسلام" کا عہدہ جلیلہ جو حضرت بہاء الدین زکریا" کے زمانہ سے اس خاندانِ ذیشان میں چلا آرہا تھا۔ اُس کا اختتام حضرت رکن الدین ابوالفتح" پر ہوگیا۔ حضرت صدرالدین حاجی محمد نے اس عہدہ کی طرف چنداں التفات نہ کی کیونکہ بادشاہِ وقت اپنے متشددانہ رویہ سے رعایا میں بدنام ہورہا تھا اور آپ ظالم و قاہر بادشاہ سے روابط استوار نہیں کرنا چاہتے تھے۔

۷۵۲ ھ میں سلطان محمد تغلق اس دارِ فانی سے رخصت ہوگیا۔ امراء و اعیان سلطنت نے متفقہ طور پر سلطان فیروز شاہ تغلق کو منتخب کرلیا۔ فیروز شاہ ایک نیک سیرت و نیک نہاد نوجوان تھا جسے درویشوں سے خاص اُنس و محبت تھی وہ تخت پر بیٹھتے ہی ملتان پہنچا اور حضرات بہاء الدین والحق زکریا" اور حضرت شیخ محمد یوسف گردیزی قدس اللہ اسرار ہما کے مزارات پر حاضری دی اور ان کے وسیلہ جلیلہ سے بارگاہ صمدیت سے اپنی کامیابی و کامرانی کے لئے دعا مانگی۔

ان ہی ایام میں حضرت شیخ صدرالدین محمد حاجی" کو معلوم ہوا کہ خواجہ جہان وزیرِ اعظم دہلی نے ایک ایسے لڑکے کو سلطان محمد کا لڑکا ظاہر کرکے اورنگ نشین کر رکھا ہے جس کا شاہی خاندان سے دُور کا تعلق بھی نہیں اور ممکن ہے کہ وہ سلطان فیروز شاہ سے حصُولِ سلطنت کے لئے مقابلہ کرے۔ اندریں حالات حضرت حاجی محمد نے سلطان کو جنگی اخراجات پورا کرنے کے لئے اپنی جیب خاص سے ایک خطیر رقم بطور عطیہ پیش کی۔ آپ کی اتباع کرتے ہوئے ملتان کے بہت سے امرا اور تجار نے بھی اشرفیوں سے بھری ہوئی ہمیانیاں سلطان کی نذر کردیں اور دیکھتے ہی دیکھتے شاہی خزانہ میں لاکھوں روپے جمع ہوگئے۔ سلطان نے شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "حاجیو! مَیں یہ رقم بطور قرض حسنہ اور وہ بھی مصلحتاً قبول کرتا ہوں صرف دہلی جانے کی دیر ہے انشاء اللہ اسے واپس کردوں گا۔ روانگی کے وقت حضرت صدرالدین محمد حاجی

سے نہایت عجز و انکسار سے عرض کی کہ آپ کے اجداد عظام رحمتہ اللہ علیہم ہمیشہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے دہلی کو شرف بخشتے رہے ہیں اور اپنے پند و نصائح و مفید تجاویز سے نوازتے رہے ہیں آپ بھی اُن کی سنت سمجھ کر دہلی تشریف لائیں۔ حضرت شیخ ؒ کو سلطان فیروز شاہ کا یہ طرز تکلم جس میں عاجزی و انکسار کی جھلک تھی، بہت پسند آیا اور دہلی جانے کا وعدہ فرمالیا۔ چنانچہ جب شاہ بنگال کی مہمات پر قابو پانے کے بعد جشنِ استقلال کی تیاری میں تھا تو آپ دہلی تشریف لے گئے۔ ان ہی دنوں سلطان سرسہ اور ہانسی کے درمیان ایک مقام پر ایک نہایت عالیشان اور جدید طرز کے شہر کی تعمیر میں مصروف تھا۔ اور حضرت کو ملتان سے آئے ہوئے کافی دن ہو چکے تھے۔ آپ نے مراجعت کا اظہار فرمایا تو رخصت سے پہلے سلطان نے حضرت کی خدمتِ اقدس میں گراں بہا تحائف پیش کئے جو ایک بیش قیمت خلعت، شمشیر مرصع اور طلائی ہودج کے ہاتھی پر مشتمل تھے۔ ان تحائف کے علاوہ عہدۂ شیخ الاسلام بھی قبول کرنے کو کہا۔ جو آپ نے خاندانی روایت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قبول فرمالیا۔

آپ دہلی میں گاہے بگاہے اُن فرائض کی ادائیگی کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے جو بحیثیت شیخ الاسلام آپ کو ادا کرنا ہوتے تھے۔ اکثر بادشاہ سے ملاقاتیں ہوتیں اور آپ بادشاہ کو رعایا سے نیک سلوک کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ ان ملاقاتوں کا تذکرہ، تاریخ فیروز شاہی کے مصنف مولانا شمس سراج عفیف نے کیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ ہمیشہ ایک پہر گزرنے کے بعد بادشاہ کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے۔ اس وقت بادشاہ قصر شاہی کی کھڑکی میں قالین پر بیٹھا ہوا ہوتا تھا جب سلطان کو جناب شیخ صدرالدین محمد حاجی ؒ کی آمد کی خبر ملتی تو وہ اپنے امراء و اعیان کے ہمراہ آپ کے استقبال کے لئے باہر آتا اور اپنے ہاتھوں سے شیخ الاسلام

کے زانوؤں کو چھوتا۔ حضرت بھی بادشاہ سے بہ کمال شفقت پیش آتے اور اسے سینے سے لگاتے اور اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھتے۔ محل میں داخلہ کے بعد آپ سلطان کے ساتھ ہی مسند پر بیٹھتے اور سلسلۂ گفتگو کا آغاز ہوتا۔ مجلس میں قاضی بغدادی اور ملک کبیر کے علاوہ کسی تیسرے شخص کو بیٹھنے کی اجازت نہ ہوتی۔ یہ دونوں حضرات مؤدبانہ حضرت کے پس پشت کھڑے رہتے اور بادشاہِ وقت بڑے احترام وادب سے آپ کی مزاج پرسی کرتا۔ خیر وعافیت دریافت کرنے کے بعد گفتگو شروع ہوتی اور دورانِ گفتگو میں قسم قسم کے مشروبات اور میوہ جات سے تواضع ہوتی پھر جب حضرت واپس تشریف لے جاتے تو بادشاہ مشایعت کے لئے جاتا اور الوداع کہنے کے بعد حضرت سے دعائیں لیتا۔ اگر آپ بادشاہ کو کچھ مفید مشوروں سے نوازنا چاہتے تو برملا نہ کہتے بلکہ کاغذ پر لکھ کر وہیں چھوڑ آتے۔ بادشاہ کاغذ کو پکڑتا تو آنکھوں سے لگاتا اور پھر مضمون کو غور سے پڑھتا اور جواب میں تعجیل کرتا۔ بعض اوقات بادشاہ حضرت کے خط کا جواب اس سُرعت وعجلت سے دیتا کہ وہ حضرت کے منزلِ مقصود یعنی ملتان پہنچنے سے پہلے ہی پہنچ چکا ہوتا۔

مؤلف تاریخ فیروز شاہی ایک اور ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایک دن شیخ الاسلام صدرالدین محمدؒ بادشاہ کے ساتھ گفتگو فرمارہے تھے کہ وجہ معاش کا ذکر چھڑ گیا۔ ان دنوں بادشاہ نے رعایا کے لئے وظائف کا نیا حکم جاری کیا تھا۔ آپ نے اس پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے فرمایا: "وقتِ جاں سپاری بندۂ مومن پر دو رنج والم طاری ہوتے ہیں ایک اندوہِ دینی دوسرا رنج دنیاوی۔ اندوہِ دینی سے یہ مراد ہے کہ آخری لمحوں میں بندۂ مومن اپنے فطری خصائل وکیفیات کے مطابق رنج وغم میں مبتلا ہوتا ہے کہ ایسے نازک مرحلے پر اُسے نجات کی بشارت ونوید ملتی ہے یا عذاب آخرت کی۔ اس لئے کہ کسی شخص کو اپنے خاتمہ کا صحیح علم نہیں ہے اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام

اور حضرات عشرہ مبشرہ[۱] رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سوا کسی کو درجہ عصمت حاصل نہیں ہے۔ دوسرا اندوہ جو مومن کے دل پر طاری ہوتا ہے۔ دُنیاوی رنج والم ہے ہر شخص عالم فکر میں اس کے بعد اس کے بال بچے کس طرح گذر اوقات کریں گے۔ اسے بادشاہ! تونے اپنے عہدِ عدل وانصاف میں ہر مومن کو دُنیاوی رنج وفکر سے نجات دے دی ہے۔ اس حکم میں رعایا کے لئے اطمینان اور بادشاہ کے لئے بے حساب ثواب ہے اور میرا ایمان و ایقان ہے کہ تو نے (بادشاہ) مومن کے قلب کو دُنیاوی رنج وغم سے نجات دلادی ہے تو پروردگارِ عالم جلّ جلالہٗ جس کے رحم وکرم بے شمار اور لامحدود ہیں۔ تجھے بھی عاقبت کے رنج وغم سے نجات دے دے گا۔ اور بسلامتی ایمان جنت الماویٰ میں مسکن عنایت فرمائے گا۔

آپ یہ باتیں کر رہے تھے تو دربار پر ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ تقریر کے خاتمہ پر حاضرین دربار بارگاہِ ربّ العزت میں سربسجود ہو گئے اور اپنے حسن خاتمہ بادشاہ کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگتے رہے۔ بادشاہ یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور کہنے لگا۔

"حضرت آپ کی ذاتِ اقدس اِس بات سے بخوبی واقف تھے کہ مجھ سے پہلے بادشاہ چند روزہ دنیا میں حکمرانی کرتے رہے اور پھر چل بسے اور ہم کو ایک روز اس جہانِ فانی سے سفر کرنا ہے۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل شعر پڑھا

---

[۱] عشرہ مبشرہ وہ دس صحابہ کرامؓ ہیں جن کو حضور علیہ السلام نے ان کی زندگی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ، حضرت سیدنا عمر ابن الخطابؓ حضرت سیدنا عثمان بن عفانؓ، حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ، حضرت سیدنا طلحہؓ، حضرت سیدنا زبیرؓ حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سیدنا سعید بن زیدؓ، حضرت سیدنا ابوعبیدہ ابن جراح۔

چوں بزم ما بہ بینی خامی زما بگوئی ✤ روزے دریں محلت غوغا زدی حبابی

ایک دفعہ سلطان فیروز شاہ اپنے لشکر کے ساتھ ٹھٹھہ کو جا رہا تھا اور حضرت صدرالدین محمدؒ بھی ساتھ ہی تھے۔ راستہ میں ایک مقام پر شیخ الاسلام نے فرمایا "بادشاہ نے پہلی دفعہ ٹھٹھہ پر لشکر کشی کی اور لشکر شاہی دہلی سے روانہ ہوا تو بادشاہ نے اجودھن پہنچ کر حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر کے مزار کی زیارت کی لیکن حضرت شیخ الاسلام بہاءالدین زکریاؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضری سے قاصر رہا حالانکہ اہل نظر ان دونوں آستانوں میں کسی قسم کی تفریق گوارا نہیں کرتے تھے۔ بادشاہ سے فرمایا تم فوراً یہ نذر مانو کر مہمات سندھ سے فارغ ہو کر مشائخ کرام ملتان کے مزارات کی حاضری دیں گے۔ شیخ الاسلام کی تقریر سن کر فیروز شاہ کہنے لگا "حضرت! یہ خطرہ بارہا میری طبیعت میں پیدا ہوا ہے۔

سلطان جب سندھ کی مہمات سے کامیاب ہو کر واپس آیا تو راہ میں حضرات مشائخ ملتان کے مزارات کی زیارت کرتا گیا۔ شہر میں داخل ہوئے تو اہل ملتان نے سلطان کا بصد شان و شوکت استقبال کیا۔ انہی ایام میں شیخ الاسلام نے خواب دیکھا کہ حضرت بہاءالحق زکریا فرما رہے تھے بیٹا! تم نے قطب الاقطاب کو میری پائنتی میں دفن کر دیا ہے اس سے مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ ایسا کرو کہ اُن کے صندوق کو میرے مقبرے میں منتقل کر دو۔ شیخ الاسلام نے اس خواب کا ذکر سلطان سے کیا اُس نے کہا کہ یہ قبہ تو سلطان محمد نے اپنی زندگی میں حضرت قطب الاقطاب کی نذر کیا تھا۔ آپ لوگوں نے حضرت کو اس میں دفن کیوں نہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ چونکہ یہ قبہ سرکاری خزانہ سے تعمیر ہوا تھا اس لئے آپ نے اس کو پسند نہ فرمایا۔

سلطان نے کہا میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ اس مقبرے پر سرکاری روپیہ خرچ نہیں ہوا۔ کون پسند کرتا ہے کہ اس کی قبر پر مشتبہ مال خرچ ہو۔ سلطان نے اس کو

خالص آمدنی سے بنوایا تھا اور اس کی تعمیر ایک دیندار اور متقی معمار نے کی تھی۔ آپ بلا توقف حضرت کو اس مقبرہ میں دفن کر دیں۔ سلطان کی یہ باتیں سُن کر شیخ الاسلام کی طبیعت میں شگفتگی پیدا ہو گئی اور قطب الاقطاب کو مقبرہ سُلطانی میں منتقل کر دیا گیا اس تقریب میں ملتان کے بہت سے سربرآوردہ اشخاص نے شرکت کی۔ فیروز شاہ نے خود تابوت کو کندھا دیا۔ صاحب تذکرہ ملتان نے انتقال تابوت کا واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔ جس کا اجمال یہ ہے۔ " وفات کے بعد جب سُلطان تغلق کو دہلی میں دفن کیا گیا تو وہ قبہ جو اس نے ملتان میں اپنے لئے بنوایا تھا۔ اس میں حضرت بہاء الدین والحق ملتانیؒ کے اشارہ سے سلطان فیروز شاہ نے قطب الاقطاب کو اس میں دفن کرا دیا۔

وفات قطب الاقطابؒ کے تابوت کے انتقال کے بعد آپ کچھ عرصہ زندہ رہے اور ۷۶۶ھ میں شیخ الاسلام صدرالدین داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے اور اپنے بزرگوں کے پہلو میں ہی مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شمس تبریزؒ سبزواریؒ

آپ ۵۴۰ھ میں ایران کے معروف شہر سبزوار میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد سید صلاح الدین محمد "نوربخش" نے شمس الدین نام رکھا۔ آپ کا سلسلہ نسب سادات سبزوار سے ملتا ہے۔ مگر عوام انہیں شمس تبریزؒ کے نام سے پکارتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔

۱؎ تبریز قدیم ایران کے صوبہ آذربائیجان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ یہ شہر مردم خیزی اور علم پرور انسانوں کی بدولت کے لئے مشہور ہے۔ اسے خلیفہ بغداد ہارون الرشید عباسی کی ملکہ زبیدہ خاتون نے آباد کیا تھا۔

۲؎ شمس تبریزؒ جن کے والد کا نام بہاء الدین تھا حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی صدیقی (المتوفی ۶۷۲ھ) کے مرشد و رہنما تھے۔ انہوں نے تبریز میں علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل کی بعد ازاں بابا کمال خجندی کے مرید ہوئے۔ سوداگروں کی وضع میں سیر و سیاحت کرتے اور کاروان سراؤں میں مراقبات کرتے۔ اپنی صحبت کے متحمل انسان کو پالینے کی دعا مانگی تو مولانا

(باقی اگلے صفحہ پر)

قسام ازل اور فیاضِ مطلق نے شاہ شمس کو ذہن رسا اور مادۂ فہم و ذکا وافر وا فر عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے زمانہ طفولیت میں ہی اپنے والد سے فیوض و برکات کی دولت حاصل کی اور انیس سال کی عمر میں تمام علوم صوری و معنوی سے متصف ہو گئے۔ آپ نے اپنے والد کے ہمراہ اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہا اور چترکس کے راستے بدخشاں میں آ گئے وہاں سے تبت کو چک ہوتے ہوئے کشمیر آ گئے اور کئی ہزار افراد کو اپنا حلقہ بگوش کرنے کے بعد واپس سبزوار چلے گئے۔ سبزوار میں ہی آپ کی عروس گیری کی تقریب منعقد ہوئی آپ کے ہاں دو صاحبزادے پیدا ہوئے جو حلیۂ تعلیم سے خوب آراستہ و پیراستہ ہوتے۔ شمس الدین نے کچھ عرصہ بعد تبریز میں سکونت اختیار کر لی اور بچوں کی کفالت کا بار آپ کے والد کے کندھوں پر آن پڑا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰ سے آگے) روم کی طرف اشارہ ہوا۔ آخر مولانا اور شمس تبریز کی ملاقات برنج فروشوں کی ایک سرائے میں ہوئی جہاں مولانا روم کی زندگی میں یک لخت انقلاب آیا اس سے قبل مولانا پر ظاہری علوم کا رنگ غالب تھا۔ علوم دینیہ کا درس دیتے تھے وعظ کہتے تھے فتویٰ لکھتے تھے۔ سماع سے بالکل پرہیز تھا۔ لیکن شمس تبریز کی ملاقات سے وعظ و پند اور درس و تدریس سب کے تمام اشغال بند ہو گئے اور سماع کے بغیر مولانا کو چین نہیں آتا تھا۔ مولانا کے کسی بیٹے یا مرید نے حسد کی بنا پر حضرت شمس تبریز کو شہید کر دیا۔ لیکن جن شمس کے احوال و واقعات ہمارے زیر مطالعہ ہیں ان کا نام شمس الدین تھا اور والد کا نام سید صلاح الدین محمد تھا جو شاہ مراکو کے پوتے اور فرقہ اسماعیلی کے مقتدا اور رہنما تھے۔ شمس الدین کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ سید عبدالباری کی بیٹی تھیں شمس الدین طبعاً جلالی بزرگ تھے اور اسی طبعی جلالت کے باعث آپ کو شمس تبریزی بھی کہا جاتا تھا۔ یہ شیخ برادری اور زرگر برادری کے پیر و مرشد بھی ہیں یہ خاندان جو ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اپنے آپ کو شمسی کہتے ہیں۔

بچے اپنے دادا کے ہاں پرورش پاتے رہے۔ اور شمس الدین تبریز میں تقریباً بارہ سال کے عرصہ تک حالتِ استغراق میں پڑے رہے۔ سلوک و عرفان کے مدارج و مراتب طے کرنے کے بعد قونیہ تشریف لے گئے جہاں آپ کی ملاقات اپنے والد محترم سے ہوئی اور پھر پدر و پسر شام و مصر کی مسافرت و سیاحت کے بعد سبزوار میں آ گئے۔ صاحبزادوں کے نکاح کئے اور سیر و سیاحت کے ارادے سے دوبارہ سبزوار سے روانہ ہو گئے اور عراق عرب اور مصر میں دن رات تبلیغِ اسلام میں مصروف رہے۔

۶۶۴ھ میں شاہ شمس تبریزؒ سبزواری کے والد سید صلاح الدین کو ایک شخص نے قتل کر دیا۔ ان کی تکفین و تدفین کے فرائض انجام دینے کے بعد شاہ شمس بغداد چلے گئے اور وہاں ایک سرائے میں قیام کیا۔ چونکہ اسماعیلی مذہب کے مشہور اور مبلغ تھے اور اسماعیلی مذہب میں غیر شرعی باتیں رواج پذیر ہو گئی تھیں جن کا ذکر نظام الملک نے اپنی معروف کتاب سیاست نامہ میں تفصیل سے کیا ہے۔ اس لئے وہاں لوگوں نے ان پر الحاد و ارتداد کا الزام لگایا۔ اور وہاں کے حاکم سے انہیں شہر بدر کر دینے کی درخواست کی۔ لیکن وہ اُن کا عقیدت مند تھا اور انہیں تکلیف دیکر کسی مصیبت میں مبتلا ہونے پر عقیدہ رکھتا تھا۔ لیکن علماء نے اُسے اس یقین دہانی پر کہ اسے کوئی مصیبت نہیں آئیگی شاہ شمس تبریزؒ کو بغداد سے شہر بدر کروا دیا۔ شاہ شمس قاضی شرع کے حکم سے بغداد چھوڑ کر کاظمین چلے گئے۔ چند دنوں کے بعد بادشاہ کا لڑکا بقضائے الٰہی انتقال کر گیا۔ بادشاہ کو اپنے کئے پر بہت ندامت ہوئی اور ان تمام علماء کو حکم دیا کہ وہ فوراً اس سے اظہار معذرت کریں۔ ممکن ہے میرا بچہ دوبارہ زندگی پالے۔ حکم عدولی کی صورت میں میں تم سے قصاص لوں گا اور تمہیں اس ضمن میں قتل کردوں گا۔ بادشاہ کے حکم پر تمام علماء شاہ شمس تبریزؒ کی خدمت میں پہنچے اور بڑی الحاح و زاری سے معذرت کی اور منت و سماجت کرکے انہیں بغداد واپس لے آئے۔ آپ نے بارگاہِ صمدانی میں دعا

کی تو بادشاہ کا بچہ زندہ ہو گیا۔ اس پر علمائے ظاہر نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا اور اس بات کے درپے ہو گئے کہ ان کی کھال کھنچوا دی جائے۔ پیشتر اس کے کہ آپ کی کھال کسی اور سے اتروائی جاتی آپ نے خود ہی اپنی کھال کھینچ دی۔ جسے شہر میں پھرایا گیا۔ شام ہوتے ہی آپ نے کھال واپس لے لی اور اسے لباس کی طرح جسم پر اوڑھ لیا اور ہندوستان جانے کا ارادہ کیا۔ بادشاہِ وقت کے اس لڑکے کو آپ سے ازحد عقیدت ہو چکی تھی۔ بادشاہ خود بھی ان کا بے حد احترام و اجلال کرتا تھا جب یہ عازمِ سفر ہندوستان ہوئے تو بادشاہ کے لڑکے نے بھی ان کے ساتھ جانے پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے شاہ شمس کے استرضاً وخوشنودی کے پیشِ نظر اپنے بیٹے کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ماں نے بہت سے لعل و جواہر اپنے لختِ جگر کو دیئے۔ چلتے چلتے یہ مرشد و مرید ۶۶۵ھ میں ملتان کی سرزمین میں وارد ہوئے۔ یہ حضرت غوث بہاء الحق والدین زکریا ملتانی کا زمانہ تھا۔ شہر میں داخل ہوتے ان کے خلاف ایک کہرام مچ گیا۔ لوگ ان پر پتھروں اور خذف ریزوں کی بارش کرتے چلے جا رہے تھے۔ چنانچہ یہ اسی عالم میں موجودہ ریلوے سٹیشن کے مقام پر پہنچ گئے بھوک اور پیاس نے احمد نکو دار کے بچے کو مضمحل کر رکھا تھا بچے کی حالت دیکھ کر آپ نے ایک فلک شگاف نعرہ لگایا اور اللہ کی قدرت سے وہاں جنگل کی ایک ہرنی ظاہر ہوئی جس کے تھن دودھ سے لبریز تھے۔ شہزادہ نے حسبِ خواہش دودھ پیا۔ اس کے بعد حضرت نے ہرنی کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ سے مطلوبہ گوشت نکال کر ہرنی کو قم باذن اللہ کہہ کر زندہ کر دیا اور وہ چوکڑیاں بھرتی ہوئی چلی گئی۔ گوشت کو بھوننے کے لئے آگ کی ضرورت تھی۔ آپ نے شہزادہ کو فرمایا کہ شہر سے جا کر آگ لاؤ۔ شہزادہ نے سارے شہر سے آگ کے لئے دریوزہ گری کی لیکن کسی نے بھی آگ نہ دی۔ بلکہ ایک ظالم وستم پیشہ حلوائی نے شہزادے کے چاند ایسے چہرے پر گرم گرم تیل کا چمچہ دے مارا۔ شہزادہ شدتِ درد سے چلا اٹھا۔ اور افتاں وخیزاں و دلگرفتہ حضرت کی خدمت میں جا پہنچا۔

آپ شہزادے کی حالت دیکھ کر مضطرب ہو گئے اور غیظ و غضب سے کانپ اُٹھے۔ جسم کے رونگٹے رونگٹے میں قہر و غضب اور جلال کی لہر دوڑ گئی۔ اُسی جلالتِ شان کے ساتھ...... آسمان کی طرف نگاہ کی اور سورج سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا، دیکھ تیرا نام بھی شمس ہے اور میرا نام بھی شمس! یہ بے رحم و ظالم لوگ ہیں گوشت بھوننے کے لئے آگ نہیں دیتے۔ تو ذرا نیچے آجا۔ تاکہ تیری ہی گرمی و تمازت میں ہم اپنا کھانا تیار کر لیں۔ حضرت کے کہنے پر آفتاب بہت قریب آگیا اور شہر کے لوگ شدتِ گرمی سے تڑپنے لگے۔ لوگوں کی حالتِ زار دیکھ کر شہر کے علماء و صلحاء اور زہاد و عباد آپ کی خدمت میں آئے۔ آکر معذرت کی قیام کے لئے رہائش گاہیں پیش کیں۔ اس پر آپ کا غیظ و غضب فرو ہوا اور آفتاب آپ کے کہنے سے واپس چلا گیا۔ کہتے ہیں اسی واقعہ کے پیشِ نظر ملتان کی گرمی[1] مشہورِ جہان چلی آتی ہے۔

آپ نے مستقل سکونت ملتان میں ہی اختیار کر لی اور دس سال کے عرصہ کے بعد اس جہانِ فانی سے دار البقاء کو تشریف لے گئے۔ مقبرہ عام خاص باغ سے بجانب شمال دو فرلانگ کے فاصلے سے نظر آتا ہے جو مرجع عوام و خواص ہے۔ مزار کا بندوبست نہایت ناگفتہ بہ ہے۔ مزار کی تولیت شیعوں کے ہاتھ میں ہے۔

---

(۱) ملتان کی چار چیزیں بہت مشہور ہیں۔ کسی نے کہا ہے

؎ چار چیز است تحفۂ ملتان ۔ گرد، گرما، گدا و گورستان

حضرت شاہ گردیز ملتانی

حضرت شاہ گردیز ملتانی کا نام نامی یوسف تھا۔ آپ کے والد سید ابو بکر خاندان رسالت کے گوہر یکتا حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے۔ آپ کا مولد قصبۂ گردیز ہے جو غزنی کے گرد و نواح میں واقعہ ہے۔ شاہ گردیز کے دادا مخدوم شاہ علی قصور اس قصبۂ گردیز میں بغداد شریف سے ہجرت کر کے سکونت پذیر ہوئے یہ بزرگ صاحب کرامت تھے۔ انہوں نے حضرت شاہ گردیز ملتانی کو تمام مدارج روحانی طے کروائے۔ آپ کی والدہ محترمہ نے بھی اپنے فیضان نظر سے انہیں کیمیا بنا دیا' ان بزرگوں سے روحانی فیض کے بعد آپ گھر سے سیر و سیاحت کے لئے نکلے۔ آپ نے ایران و توران اور روم و شام کا سفر کیا۔ اور دوران سفر میں عارفان حق اور سالکان جادۂ مستقیم سے ملاقی ہوتے رہے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کیں۔ اس طرح آپ صاحب تصرفات ظاہری و باطنی' حامل محاسن صوری و معنوی قطب زمانہ اور وحید العصر بن گئے۔

والد محترم کی وفات کی خبر سن کر سیر و سیاحت ترک کر کے اپنے جد محترم کی خدمت

میں رہنے لگے۔ اکثر اوقات گوشہ نشینی میں گذارتے اور خلوت میں عبادت واطاعت الٰہی میں ایک گونہ مسرت وراحت محسوس کرتے تھے لیکن جب خلوت سے جلوت میں آتے تو آپ سے محیر العقول کرامات ظہور پذیر ہوتیں۔

ان کرامات کو دیکھ کر آپ کے دادا آپ کو پند ونصائح کے ذریعے ایسی باتوں کے اظہار سے منع کرتے تھے لیکن آپ نے صغر سنی میں جو ریاضتیں اور مجاہدے کئے تھے اُن کے باعث غیر ارادی طور پر کرامتوں کا ظہور ہو جاتا تھا۔

اسی ضمن میں روایت ہے کہ آپ کے دادا کے چند ارادت کیشوں نے ایک بیمار وعلیل بچّہ کی صحتیابی کے لئے دعا کرنے کو عرض کی۔ آپ نے اس بچہ کے لئے دُعا کرنے سے گریز کیا اور اس کے ورثاء کو مشیّتِ ایزدی پر شاکر وصابر رہنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ وہ لڑکا قضائے حق سے جان بحق ہوگیا۔ ورثاء پر اُس کے مرنے سے قیامت صغریٰ گذر گئی۔ وہ شور وشین نوحہ وماتم اور نالہ وشیون کرنے لگے۔ ان کی یہ گریہ زاری حضرت شاہ یوسفؒ کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکی۔ آپ نے بارگاہ کبریا میں ہاتھ اٹھائے۔ دُعا کی اور وہ زندہ ہوگیا۔ اس واقعہ کو سن کر آپ کے دادا جان نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور اپنے یہاں سے حضرت شاہ گردیز کو رخصت کر دیا۔

چنانچہ سیر وسیاحت کرتے ہوئے آپ وارد ملتان ہوئے اور یہاں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بہت سے دیگر بزرگان کرام اور صُلحاء امت کی طرح آپ شیر پر سواری کرتے ہوئے سانپ کو کوڑے کی بجائے استعمال فرماتے گویا یہ آپ کی ادنیٰ سی کرامت تھی۔ چنانچہ مندرجہ ذیل شعر اس بات کی تائید کرتا ہے۔

دانی سوار شیر کہ در دست مار کرد
مخدوم شاہ یوسف ایں جا قرار کرد

حضرت شاہ گردیز کی ملتان میں آمد تقریباً ۴۸۱ ھ میں ہوئی۔ اِن دنوں ملتان

اندرونی و بیرونی آفات و بلیات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ آلِ سبکتگین کے مسلسل تاخت و تاراج سے ملتان مسکن مور و ملخ بن گیا تھا۔ کسی وقت دریائے راوی اس جگہ بہتا تھا جس جگہ حضرت کا مزار ہے۔ آپ کی برکت سے دریا نے اس طرف سے رُخ تبدیل کر لیا اور ملتان کا شہر پھر سے تیسری بار آپ کے حجرۂ عبادت کے اِردگرد آباد ہوا۔ موجودہ ملتان آپ ہی کا آباد کردہ ہے۔

آپ ایک مدت تک اہلِ ملتان اور دیگر خطوں کے لوگوں کو اپنے رُوحانی فیوض و برکات سے نوازتے رہے۔ آخر ۱۸ سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے دار البقا کو سدھار گئے آپ کو اُسی حجرہ میں دفن کیا گیا جہاں آپ مصروفِ عبادت و ریاضت رہتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد ایک شخص دُور دراز کے سفر کی صعوبتیں طے کر کے بیعت کی نیت سے آیا۔ اُسے حضرت کے وصال کا پتہ چلا تو رونے لگا۔ کہتے ہیں اسی وقت حضرت کا ہاتھ قبر سے باہر نکلا اور اس شخص نے حضرت کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی اور اس کی تمام مایوسیاں اور سفر کی صعوبتیں، خوشیوں اور مسرتوں میں تبدیل ہو گئیں ایک مدت تک یہی حال رہا کہ حضرت کا ہاتھ قبر سے باہر نکل آتا اور جو بھی زیارت کے لئے آتا وہ حضرت کی حیات بعد از ممات کا قائل ہو کر جاتا۔ قبر سے ہاتھ باہر نکلنے کا سلسلہ حضرت شیخ الاسلام صدر الدین عارفؒ کے زمانہ مبارک تک رہا۔ آپ چونکہ متشرع اور پابند احکام شرعیہ تھے۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ عالم برزخ کے حالات لوگوں پر ظاہر ہوں اس لئے آپ حضرت شاہ گردیز کی قبر پر جا کر کہنے لگے اے یوسف، شریعت حقہ کی خلاف ورزی نہ کرو۔ اپنا ہاتھ قبر میں کر لو۔ کیونکہ یہ سراسر دراز دستی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کے کہنے پر آپ نے ایسا کرنا بند کر دیا۔

جو حضرات ملتان گئے ہیں انہیں معلوم ہے کہ حضرت شاہ گردیز کا روضہ بوہڑ دروازہ کے اندر واقع ہے۔ روضہ اپنی خوبصورتی و جمال میں فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ مزار

کے وسیع صحن میں حضرت شاہ گردیز کے دیگر افرادِ خاندان کی قبریں ہیں ۔

حضرت مخدوم شہر اللہؒ

ہے خداوالوں میں یہ جاہ و وقارِ مخدومؒ
اہلِ عرفاں ہیں دل و جاں سے نثارِ مخدومؒ

عُلَماء و فقہاء حاشیہ بردارِ حضورؒ
اہلِ حق اہلِ نظر آئینہ دارِ مخدومؒ

آپ کی زندگی سادہ صحابہؓ کی مثال
سیرتِ سرورِ کونین شعارِ مخدومؒ

بابِ والا سے مدینہ کی ہیں راہیں نزدیک
ہے رہِ قربِ خدا راہگزارِ مخدومؒ

کیوں نہ ہو خلد نظر ساقیؒ ملتان کا جمال
چشمِ مے نوش میں ہے کیف و خمارِ مخدومؒ

وصفِ مخدوم سے ملتی ہے دلوں کو راحت
اس لئے ہم بھی ہوئے مدح نگارِ مخدومؒ

حضرت شیخ الاسلام صدرالدین محمد عارفؒ کی وفات کے بعد شیخ رکن الدین اسماعیل سمرقندی زینتِ مسند و رونق بخشِ سجادہ ہوئے۔ شیخ رکن الدین اسماعیل سمرقندی حضرت شیخ صدرالدین محمدؒ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ اپنے والد محترم کے بعد تقریباً تینتیس یا چھتیس سال

ساقی ملتان ! مراد حضرت شیخ الاسلام والمسلمین بہاء الحق بہاء الدین زکریا سہروردی ملتانیؒ

زندہ رہے۔ اور ۸۰۱ھ میں ہزاروں تشنہ کاموں کو حقیقت و معرفت کے خم پر خم پلاتے ہوئے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ ان کے بعد آپ کے لختِ جگر حضرت عماد الدین آبائی مسند پر رونق افروز ہوئے۔ ان کی طبیعت میں فقر و غنا اور جود و سخا کا عنصر بدرجۂ اتم تھا۔ آپ سے بہت سے امراء و اعیانِ سلطنت دلی عقیدت رکھتے تھے۔ خاص کر خضر خاں آپ کا مخلص ارادت کیش تھا اور انہی نے آپ کو "شیخ الاسلام" کے منصب جلیلہ کے قبول کرنے کی درخواست کی۔ شیخ عماد الدین نے خضر خاں کی دلجمعی کے لئے یہ عہدہ قبول کر لیا جب آپ نے وفات پائی تو آپ کے چھ صاحبزادوں میں سے ایک صاحبزادے جن کا نام شیخ صدر الدین حلیم تھا سجادہ نشین ہوئے۔ انہیں بھی شیخ الاسلام کا عہدۂ جلیلہ دیا گیا۔ ان کے ہاں اولادِ نرینہ نہ تھی اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی شیخ محمد یوسف قریشی آستانہ قادریہ غوثیہ کی تولیت پر مامور ہوئے۔ یہ وہ پُر فتن اور پُر حوادث زمانہ تھا جب دہلی کی حکومت تارِ عنکبوت بن چکی تھی۔ مرکز سے بہت سے صوبے آزاد ہو چکے تھے اور کئی والی اپنی اپنی حکومت کے قیام میں کوشاں تھے۔ ۸۴۷ھ میں سلطان محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ مگر اس کی سہل انگاری آرام طلبی نے مُغلوں کو حملہ آور ہونے کے مواقع بخشے۔ اور ان کی تاخت و تاراج سے شہر محفوظ نہ رہ سکا۔ اس تباہی و بربادی کے بعد اہلِ ملتان نے اپنے خود مختار حاکم کے انتخاب کے لئے مشورہ کیا اس سلسلے میں کئی نام تجویز ہوئے۔ ان اسماء میں شیخ محمد یوسف کا نام بھی تھا جو حضرت بہاء الحق والدین کے سجادہ نشین تھے۔ ان کے تورّع، پرہیزگاری اور تقویٰ کے پیشِ نظر تمام افراد نے متفقہ طور پر آپ کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا اور آپ ۸۴۷ھ میں اورنگ نشین ہوئے عاقبت شیخ کو لنگاہوں کے فتنہ و فساد اور شورش کے پیشِ نظر تخت برداری کا اعلان کرنا پڑا اور وہ مایوسی و حرماں کے عالم میں گجرات کی طرف روانہ ہوئے اور چتوڑ پہنچ کر ان کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ شیخ یوسف قریشیؒ صاحب اولاد تھے

اور اللہ نے انہیں چار بیٹوں سے نوازا جو شاہ نعمت اللہ، شیخ یحییٰ، شیخ شہر اللہ اور شاہ عبداللہ قریشی کے اسماء گرامی سے معروف تھے۔ ان میں سے شیخ مخدوم شہر اللہ زیادہ متدین، پابند احکام شرعیہ اور خدا ترس تھے۔ جب لنگاہوں کی بغاوت فرو ہوئی تو لوگوں نے سلطان حسین کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ شیخ شہر اللہ کو دہلی آنے کی دعوت دے۔ چنانچہ جب سلطان حسین کی دعوت ملی تو آپ بڑے تزک و احتشام سے پایہ تخت دہلی کیطرف روانہ ہوئے۔ عقیدتمندوں نے شہر سے باہر آپ کا فقید المثال استقبال کیا اور آپ کو مسند یوسفی پر بٹھا دیا۔ شیخ شہر اللہ مخدومؒ نے مسند ارشاد پر بیٹھتے ہی خدمت خلق کا سلسلہ دراز کر دیا اور اپنے آباؤ اجداد کی طرح ہزاروں گم گشتگان منزل کو صراط مستقیم دکھائی آپ بڑے حلیم، سلیم الطبع اور متواضع تھے۔ مہمان نوازی میں فخر محسوس کیا کرتے تھے۔

سیر العارفین کے مؤلف شیخ مولانا جمالی رقمطراز ہیں کہ جب میں نے زیارت حرمین کی غرض سے سفر اختیار کیا اور ملتان پہنچا تو شیخ الاسلام کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ فاتحہ خوانی کے بعد مخدوم شہر اللہ کے ہاں گیا۔ آپ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور شیخ الاسلام کے حجرہ عبادت میں قیام کے لئے اجازت مرحمت فرمائی۔ مجھ پر اس قدر کرمفرمائیاں اور مہربانیاں فرماتے کہ کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھاتے۔ میں نے اسی حجرہ میں چلہ کشی کی۔ تکمیل چہلم پر شیخ الاسلام کو عالم رؤیا میں دیکھا اور عرض کی حضور! بندہ احقر زیارت حرمین الشریفین کے لئے جا رہا ہے۔ دعا فرمایئے۔ بخیر و عافیت یہ سفر مقدس اختتام پذیر ہو۔ حضرت نے میرا ہاتھ پکڑ کر شیخ مخدوم شہر اللہ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا جاؤ! بخیر و عافیت پہنچو گے۔ لیکن سنو! جب بارگاہ نبوی میں پہنچو تو میرا ہدیہ سلام بھی پیش کرنا۔ میں نے اگلے دن یہ خواب شیخ شہر اللہ کو سنایا اور اجازت مانگی تو شیخ نے فرط اشتیاق سے فرمایا "واللہ" میں آپ کو رخصت کرنے کے لئے تیار نہیں آپ یہاں کم از کم ایک ماہ تک قیام کریں گے۔

شیخ جمالی کہتے ہیں کہ حضرت مخدوم کا یہ ارشاد میں نے بسر و چشم مانا۔ لیکن چونکہ شیخ الاسلام کی طرف سے رخصت مل چکی تھی اس لئے مجھے یہاں سے منتقل ہونا ہی پڑا۔ یہاں سے میں قطب الاقطاب کے آستانہ پر چلا گیا۔ یہاں بھی مخدوم شہراللہ مجھ پر بے حد مہربان و ملتفت رہے اور یہاں آکر مجھ سے تبادلۂ خیالات فرماتے رہے شیخ شہراللہ کا انتقال بمطابق ۲۴ ذوالحجہ ۹۲۰ ھ میں ہوا۔ اور خاکِ ملتان ہی آپ کا مدفن بنی۔ رحمتہ اللہ علیہ ؛

حضرت دیوان چاولی مشائخ

تجھ پر شہید الفتِ داور سلام ہو — اے جانِ نثار دینِ پیمبر سلام ہو
تو نے قبولِ دینِ رسالت میں جان دی — اے کشتہ حسامِ برادر سلام ہو
برسیں ترے مزار پہ رحمت کی بارشیں
اے آسمانِ عشق کے نیتر سلام ہو

بزرگانِ ملتان میں سے حضرت دیوان چاولی کی ذاتِ گرامی براہِ راست حضور علیہ السلام سے فیض یاب ہوئی۔ آپ کا طبعی رجحان آپ کو قبولِ اسلام کی طرف مائل کرتا رہتا۔ چنانچہ باطنی طور پر آپ کا دِل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انوار و تجلیات سے منور ہوا اور آپ درجہ ولدیت کو پہنچے۔ آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کی ہمشیرہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئیں۔

بہن بھائی کے قبولِ اسلام سے دیگر برادران سخت برہم ہوئے اور ہر وقت اس موقع کی تلاش میں رہتے کہ آپ کو شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ ظالم اپنے عزائم میں کامیاب ہوئے مگر ندامت و پشیمانی نے قبولِ اسلام کی طرح مائل کیا۔ نتیجتاً سب نے

سب مسلمان ہو گئے

حضرت دیوان چاولی" ہندو راجہ ہسپال کے لخت جگر
تھے۔ راجہ ہسپال کا مورث اعلیٰ رائے لکھمن راجپوت قوم "ڈھوڈھی" کا سردار تھا۔ جو نواح
کنگن پور میں حکومت کرتا تھا۔ موجودہ کنگن پور رائے چادلہ (حضرت دیوان چاولی) کی ہمشیرہ
کے نام سے آباد ہوا۔

آپ کی تاریخ وصال ۱۲۱ ھ بتائی جاتی ہے۔ محمود غزنوی" نے موضع چاولی مشائخ
تحصیل میلسی میں زر کثیر سے روضہ تعمیر کرایا اور چند دیہات مزار کے شاتو وقف کر دیئے
آپ اوائل اسلام کے اولیائے کرام میں سے ہیں۔ لہٰذا آپ کا مقبرہ بھی بہت قدیم عمارت
سمجھا جاتا ہے۔ اس مقبرہ کی مرمت بہت سے سلاطین نے اپنے اپنے دور حکومت میں
کرائی اور یہاں کی حاضری کا شرف بھی حاصل کرتے رہے۔ جہانگیر نے اپنے عہد میں
اس کی مرمت کرائی۔ روضہ میں حضرت دیوان اور ان کی ہمشیرہ کنگن برس کے مزار ہیں
یوں تو آپ کا مزار اقدس زیارت گاہ خاص وعام رہا ہے اور ہے مگر آپ کے
مزار اقدس پر بڑے بڑے صاحب کمال بزرگان دین حاضر ہوتے رہے ہیں جن میں سے
حضرت سلطان محمود غزنوی" حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر" پاکپتن شریف حضرت
شیر شاہ"، حضرت سید جلال الدین بخاری"، حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی" حضرت لال شہباز
قلندر" (حضرت خواجہ عثمان مروندی) مشہور و معروف ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ

تاج العارفین حضرت شاہ ابوبکر ورّاقؒ

جن حضرات سے خاندانِ چشتیہ کے انوار و تجلیات اقصائے عالم میں ضیا پاش ہوئے ان میں حضرت خواجہ خواجگان معین الدین حسن چشتی و سجزی کا نام نامی آفتاب کی طرح روشن ہے۔ حضرت ابوبکر وراق بھی خاندان چشتیہ کے آفتاب و ماہتاب تاباں ہیں۔ آپ حضرت معین الدین چشتیؒ کے پیر بھائی اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے خلفاء میں سے ہیں۔

اپنے پیر و مرشد سے صاحب ارشاد ہو کر تبلیغ و اشاعت دین میں لگ گئے اور شروع شروع میں اجمیر کے قریب ایک قصبہ میں جو تارا گڑھ کے نام سے موسوم ہے قیام کیا۔ آپ کا ایک ارادت کیش کفار کے نرغہ میں پھنس گیا۔ جس نے آپ کو اپنی امداد کیلئے پکارا۔ حضرت ایک نیلے گھوڑے پر سوار ہوئے اور کفار کے ساتھ جہاد کے لیے چل کھڑے ہوئے۔ اس معرکۂ حق و باطل میں آپ شہید ہو گئے۔ آپ میدان جنگ سے عجیب و غریب حالت میں نکلے۔ یعنی آپ کا سر میدانِ کارزار میں پڑا رہا اور آپ گھوڑے پر سوار ہو کر ملتان کی طرف چل نکلے۔ ملتان کے قریب ایک قصبہ دھلو میں ایک معمر آدمی بنام امام الدین کے مکان کے سامنے گھوڑا کھڑا ہو گیا۔ آپ کے دھڑ سے امام الدین امام الدین کی

آوازیں نکلیں تو امام الدین باہر آگیا۔ اس نے گھوڑے پر صرف دھڑ دیکھا تو خائف و ترساں ہوگیا۔ دھڑ سے آواز آئی۔ ڈرومت! فلاں جگہ سے ہمارا سر اٹھا لاؤ۔ مگر دیکھو! میدان کارزار میں شہداء کے سروں پر چراغ جل رہے ہوں گے۔ اور جس سر پہ چار چراغ جل رہے ہوں وہ ہمارا سر ہوگا۔ اُسے اٹھا لانا اور اس خدمت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں اولادِ نرینہ سے نوازے گا۔ امام الدین نے آپؒ کے حکم کو بسر و چشم تسلیم کیا اور حضرت کے تصرف باطنی سے بہت جلد میدانِ جنگ سے سر اٹھا لایا اور پھر سر اور دھڑ کو اسی جگہ دفن کیا جہاں آپ کا گھوڑا آکر رُکا تھا۔

بابا امام الدین باوجود اپنی شیخوخت اور ضعف و اضمحلال قویٰ کے صاحبِ اولاد ہوا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت کی دُعا سے اُسے بہت سے لڑکے عطا فرمائیے جن میں سے بعض حضرت کی مجاوری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ حضرت ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیرؒ بادشاہِ ہندوستان کو آپ سے عقیدت تھی۔ اُس نے آپ کا مزار تعمیر کرایا۔

آپ وراق کے لقب سے کیوں مشہور ہوئے

اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے مرشد آپ کو اپنے معمول کے مطابق ہر روز ایک ورق پر کچھ تحریر کرکے دے دیا کرتے تھے اور ہدایت فرما دیتے تھے کہ اس ورق کو دریا میں ڈال دینا جو ورق دریا سے ملے اُسے میرے ہاں لے آنا چنانچہ آپ معمول کے مطابق جاتے۔ ورق کو دریا میں ڈالتے۔ دریا سے ایک ہاتھ برآمد ہوتا جو آپ سے ورق لے لیتا اور دوسرا دے دیتا اس ورق کے دیکھنے کی آپ کو اجازت نہ تھی اس فرض کو ادا کرتے ہوئے ایک مدت گذر گئی۔ ایک دن مرشد نے آپ کو وراق کے نام سے پکارا۔ آپ اسی دن سے وراق کے نام سے مشہور ہوگئے۔

ریاضت و مجاہدہ کے دوران میں آپ کو حضرتِ خضر علیہ السلام کی زیارت کا انتہائی

شوق تھا لیکن جب پیرِ طریقت نے اپنے فیضانِ نظر سے نوازا تو یہ خیال دل سے محو ہو گیا آپ کئی سال تک عبادت و ریاضت میں مشغول رہے ایک دن ایک بزرگ حجرۂ عبادت میں تشریف لائے اور حضرت وراق سے پوچھا "تمہیں کسی چیز کی ہوس ہے تو بتاؤ" حضرت وراق نے کہا "پہلے دیدِ خضر کیلئے مضطرب رہا ہوں۔ مگر اب یہ حالت ہے کہ وہ اضطراب و التہاب ختم ہو چکا ہے اور سوائے لقاء ربانی اور دیدارِ الٰہی کے کوئی خواہش و ہوس باقی نہیں رہی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خضر ہوں اگر میری زیارت کی ہوس ہو تو پوری کر لو۔ لیکن یاد رکھو "اللہ بس، باقی ہوس"۔ اُسی دن سے آپ نے ماسوا اللہ کا خیال دل سے لکھ کر نکال دیا۔

مزارِ اقدس ملتان میں ہی ہے۔ جس پر فیوض و برکاتِ ربانی کی بارش ہو رہی ہے عوام و خواص زیارت کے لئے آتے جاتے ہیں۔

حضرت سیّد علی سرورؒ

آپ کا مولد و جائے پیدائش نامعلوم ہے۔ اس قدر پتہ چلتا ہے کہ آپ ۴۰۰ ھ میں خاکِ دھلی سے کہروڑ ملتان میں وارد ہوئے۔ دل میں بار بار زیارت حرمین کا شوق اٹھا اور اس فرطِ اشتیاق میں آپ نے چھ بار مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ آپ ایک ولی کامل تھے اور حضرت غوث الاعظم محی الدین ابُو محمّدؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ حضرت لعل فرید رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ تھے۔ ملتان میں فیوض و برکات کی دولتیں لٹانے کے بعد قصبہ کہروڑ میں جاگزیں ہو گئے اور اسی جگہ کچھ عرصہ بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ روضۂ مبارک اسی قصبہ میں ہے۔ جو قابل دید ہے۔

حضرت شاہ ارجن شیر بخاریؒ

حضرت کا مولد اطرافِ بخارا میں ہے۔ آپ آٹھ سو سال قبل اپنے تین اور ساتھیوں کے ہمراہ جن کے نام حضرت ازانی شیر، حضرت شاہ صالح اور حضرت شاہ داد ہیں۔ سیر و سیاحت کرتے ہوئے سرائے سدھو ملتان تحصیل کبیر والا کے قریب ایک جنگل میں قیام پذیر ہوئے۔

سرائے سدھو کے باشندے ایک جن کے ہاتھوں سخت نالاں تھے۔ وہ اہل قصبہ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا کسی کا خرمن اُٹھالے جاتا۔ کسی کا بچہ لے کر بھاگ جاتا۔ علی ہذالقیاس وہاں کے باشندے بہت تنگ تھے۔ ایک دن وہی جن ایک عورت کا اکلوتا بیٹا لے کر غائب ہوگیا۔ وہ رونے پیٹنے لگی۔ اس کی گریہ وزاری سے حضرت شاہ ارجن بخاری کا دل بھر آیا اور آپ ایک شیر ژیاں پر سوار ہو ہاتھ میں سانپ کا تازیانہ پکڑ کر جن کے تعاقب میں نکلے اور اس سے نبرد آزما ہوئے۔ آپ جن سے چوبیس گھنٹے لڑتے رہے اور اسی حالت میں برج شہر میں داخل ہوگئے۔ سخت لڑائی کے بعد برج پھٹ گیا اور حضرت شاہ صاحب جن کو دھکیلتے ہوئے اس میں غائب ہوگئے

شہر کے باشندوں نے وہاں پختہ مزار بنوا دیا اور بعد میں ایک عرصہ گذرنے کے بعد ایک سرائے بنوادی گئی۔ مرورِ زمانہ سے آپ کا مزار برج کے گرنے سے دب گیا تو سرائے سدھو کے ایک جمعدار عبداللہ نامی نے اسکی مرمت کرائی اور ملازمت کو خیر باد کہہ کر مزار کی مجاوری اختیار کر لی۔

حضرت شیخ احمد معشوقؒ

حضرت شیخ احمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ اُن خوش قسمت انسانوں میں سے ہیں، جنہیں حضرت شیخ الاسلام بہاءالحق والدین زکریا ملتانی سہروردیؒ نے اپنی نظر کیمیا ساز اور فیض رسانی سے مرتبہ ولایت تک پہنچایا۔ اور رُوحانی مدارج طے کروانے کے بعد خرقہ خلافت بھی عطا فرمایا۔ چنانچہ آپ حضرت شیخ الاسلام کے خلفائے اجلہ میں سے ہیں۔ وطن مالوف قندھار تھا۔ بدیں باعث آپ کو شیخ قندھاری بھی کہا جاتا ہے۔ بلا کے مے نوش تھے۔ شراب کے بغیر ایک لمحہ بھی گذارنا محال تھا۔ آپ کی اس عادتِ قبیحہ سے تنگ آکر آپ کے والد نے جو قندھار میں ایک ممتاز عالم تھے، آپ کو کچھ رقم دے کر گھر سے نکال دیا اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی کہ جاؤ اسی سرمایہ سے کسی دوسرے گاؤں میں قوتِ لایموت کمانے کیلئے دکان کھول لینا۔

چنانچہ آپ اپنے والد سے رخصت ہو کر قندھار سے ملتان پہنچے اور والد محترم کے دیئے ہوئے سرمایہ سے دکان کھول لی۔ اسے فضلِ خدا سمجھئے یا حسنِ اتفاق۔ شیخ صدرالدین

عارف کی نظر ان پر اس حالت میں پڑی کہ آپ گاہکوں کو سودا سلف دے رہے تھے حضرت کے دل میں کھُب گئے خانقاہ پہنچتے ہی انہیں بلا بھیجا۔ یہ گئے تو عزت واحترام سے اپنے پہلو میں بٹھایا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ حضرت شیخ صدرالدین عارف نے شربت منگا کر پیا اور اُن کو بھی پلایا۔ شربت کے چند گھونٹ پینے کی دیر تھی کہ قلب جاری ہو گیا اور فوراً توبہ کر کے شیخ کے ارادت کیشوں میں داخل ہو گئے تمام متاع و دولت غربا و مساکین میں تقسیم کر دیا اور دُنیا سے ترکِ تعلق کر کے فقر و درویشی کا راستہ اختیار کر لیا اور اس قدر یادِ حق میں مشغول ہوئے کہ بارگاہِ ربانی سے درجہ ولایت نصیب ہوا۔

وجہ تسمیہ معشوق

ملفوظاتِ حضرت شیخ نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ فوائد الفوائد میں مرقوم ہے کہ شیخ احمد آخری لمحات میں اللہ تعالٰے کی یاد میں اس قدر محو ہوئے کہ ظاہری آنکھیں بالکل بند رہتیں۔ ایک دن موسم سرما میں صبح کے وقت سخت سرد پانی میں غسل کے لئے داخل ہوئے اور بڑی دیر تک جناب الٰہی میں الحاح وزاری کرنے کے بعد ہاتھ اُٹھائے اور عرض کی:
"اے خداوندِ جہاں! تو بندوں کی اطاعت و بندگی سے بے نیاز ہے تو صرف اپنے فضل و کرم اور لطفِ عام سے بندوں کو عزت و عظمت بخشتا ہے۔ مجھے تیری محبت کی قسم جب تک تو مجھے میرے قُرب و مرتبہ سے آگاہی نہ بخشے گا میں اس پانی سے باہر نہ نکلوں گا یہاں تک کہ میری جان نکل جائے۔ اس پر ہاتفِ غیب سے ندا آئی! اے شیخ احمد تیرا مرتبہ اتنا بلند و بالا ہے کہ روزِ محشر تمہارے توسّل سے لاکھوں انسانوں کو جنت الفردوس میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت شیخ احمد نے عرض کی۔ اے مولا تعالٰی! میں اس پر کفایت نہیں کر سکتا۔ فرمان پہنچا " ھم نے تمہیں اپنا محبوب معشوق بنا لیا ہے تاکہ سالکانِ جادۂ حق کو ہمارا عاشقِ صادق بنادے" حضرت یہ نوید دلبشارت پاکر پانی سے باہر آئے اور تہمند زیبِ تن کئے اپنے مکان کا راستہ لیا۔ راستہ میں ہر فرد کی زبان سے یہی نکلتا:

شیخ احمد معشوق آتا ہے۔ پس اسی دن سے آپ "احمد معشوق" کے لقب سے مشہور ہوئے

آپ پر جذبہ عشق و مستی اس قدر غالب و مستولی تھا کہ آپ دُنیا اور اہل دُنیا سے مطلق بے خبر رہتے تھے۔ یہ حالت بے خودی اس قدر بڑھ گئی کہ فرائض کی ادائیگی کی بھی خبر نہ رہتی تھی۔

علماء و فضلاء نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ حضرت اس مستی و بے شعوری کی حالت کو چھوڑیئے اور نماز پنجگانہ ادا کیجیئے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ میں نماز کی ادائیگی کی قدرت نہیں۔ نماز کے دوران میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھ سکتا۔ علماء وقت نے جواب دیا کہ سورہ فاتحہ کے بغیر تو نماز ہی نہیں ہو سکتی۔ شیخ نے کہا "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے الفاظ نہیں پڑھوں گا۔ انہوں نے کہا ان کے بغیر تو سورہ فاتحہ کی قرأت و تلاوت نامکمل ہے اور نماز بھی نہیں ہو سکتی۔ اس گفتگو کے بعد جب لوگوں نے شیخ کو وضو کرانا شروع کیا تو کئی مشکیزے پانی انڈیلنے کے بعد بھی شیخ کے ہاتھ تر نہ ہو سکے۔ علماء نے شیخ کو دریا میں غوطہ دیا۔ دریا کے پانی نے اس قدر جوش کھایا جس طرح دیگ میں پانی اُبلتا ہے۔ وضو ہو چکا تو شیخ نے نماز کا آغاز کیا۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے الفاظ زبان پر لاتے تھے کہ جسم کے ایک ایک روئیں سے قطرات خون ٹپکنے لگے۔ اور آپ کا لباس خون سے لت پت ہو گیا۔ فوراً نماز توڑ دی اور علما کی طرف ملتفت ہوتے ہوئے فرمایا: صاحبو! میری حالت زنِ حائضہ کی طرح ہے جسے نماز معاف ہوتی ہے لہٰذا مجھ سے بھی درگزر کر دو۔

آپ نے تقریباً ۷۲۳ھ میں اس دار فانی کو خیرباد کہا اور ملتان ہی میں مدفون ہیں۔

شیخ خالد بن ولیدؒ

ان کی زندگی کے مفصل حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ باوجود سعی و کوشش کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ آپ قریشی النسل ہیں اور یمین الدولہ حضرت سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں ۴۰۶ ھ کے قریب ملتان آئے آپ ایک صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی کرامتیں مختلف روایتوں کے ذریعے لوگوں تک پہنچی ہیں۔ کہتے ہیں چند شتربانوں نے آپ سے گستاخانہ سلوک کیا آپ نے اُن کے حق میں بددُعا کی: خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کی اونٹنیوں کے دودھ سے مکھن نکلنا بند ہو گیا۔ آپ کے مزار میں لگے ہوئے ایک حجر ابیض سے لوگ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ اونٹنیوں کا مکھن تھا جو حضرت کی کرامت سے پتھر بن گیا۔ مزید براں اس میں سے وقتاً فوقتاً مکھن کا قطرہ ٹپکتا ہے اور جس دن آخری قطرہ ٹپکے گا اُس دن قیامت برپا ہو جائے گی۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

آپ کا مزار موضع خطی چوٹ (کبیر والا) میں ہے جو چودھویں صدی عیسوی کے فن تعمیر کا نمونہ ہے۔ شہاب الدین شاہجہان نے مرمت کرا کے ایک سرائے بھی

تعمیر کروا دی۔ اب روضہ کی عمارت مرورِ زمانہ سے خستہ ہو چکی ہے لیکن آپ کی شانِ عظمت و جلالت بعینہٖ قائم ہے اور اکثر زائرین پر روضہ کی زیارت کے وقت خاص قسم کی ہیبت و رعب طاری ہو جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ حسن افغانؒ

آپ بھی شیخ الاسلام حضرت بہاء الحق زکریا ملتانیؒ کے فیض یافتہ بزرگوں میں سے تھے آپ حضرت کے مقبول ترین خلفاء میں سے تھے اور ذوق و شوقِ عبادت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

صاحب مخزن افغانی کے بقول آپ سید تھے۔ اُس نے آپ کا نسب نامہ مندرجہ ذیل بیان کیا ہے۔ سید حسن المعروف خوندی بن ابو محمد بن سید علی بن سید جعفر بن موسیٰ بن ابراہیم اصغر بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔

آپ علوم ظاہری سے بالکل نابلد تھے لیکن علوم باطنی میں ایسے کامل تھے گویا تمام علم لوحِ محفوظ آپ کے سینۂ اقدس پر نقش تھا۔ اکثر لوگ آزمائش کے طور پر چند سطور جن کے الفاظ قرآن و حدیث اور اقوال مشائخ سے ماخوذ ہوتے' کاغذ پر لکھ کر دکھایا کرتے تھے لیکن آپ کی موحدانہ فراست فوراً قرآنی اور غیر قرآنی الفاظ میں تفریق کر دیتی

جب لوگ پوچھتے آپ اُمّی ہونے کے باوجود ایسا کیونکر کر لیتے ہیں تو فرماتے "اس کے سوا اور کوئی شناخت کی وجہ نہیں ہے کہ قرآن کی عبارت دیکھ کر مجھے ایک ایسا نورُ نظر آتا ہے جو لامکان کو محیط کئے ہوئے ہوتا ہے۔ اور حدیث شریف کے الفاظ کے انوار و تجلیات آسمان ہفتم تک نظر آتے ہیں اور بزرگانِ دین کے اقوال کے انوار تا فلک قمر دیکھتا ہوں۔

آپ حضرت بہاء الحق والدین ذکریا سہروردی ملتانیؒ کے محبوب و مخلص ارادت کیش تھے آپ ان کے اخلاص، للّٰہیت اور محبت خلق اللہ کے پیشِ نظر فرمایا کرتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے پوچھیں گے کہ ہماری درگاہ میں کیا لایا ہے؟ تو میں عرض کروں گا کہ حسن افغانؒ کے اشغال و عبادات "حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ کو آپ کی عظمت و رفعت کا اعتراف تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ حضرت حسن افغانؒ ایک باعظمت و جلالت بزرگ تھے۔

روایت ہے کہ آپ نے ایک دفعہ ملتان سے عزمِ سفرِ دہلی کیا۔ راستہ میں ایک مسجد کی تاسیس کر رہے تھے۔ علماء و فقہا کی ایک جماعت کثیر نے قبلہ کی صحت پر اعتراض کیا۔ آپ نے ایک طرف کھڑے ہو کر فرمایا "قبلہ اسی طرف ہے"۔ علماء دوبارہ معترض ہوئے تو آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "اگر میری بات پر اعتبار نہیں تو دیکھو قبلہ اس طرف ہے" جونہی لوگوں نے اس طرف دیکھا تو زیارت بیتُ اللہ سے مشرف ہوئے اور فوراً اختلاف سمتِ قبلہ دور ہو گیا۔

ایک دن آپ کسی گلی سے گذر رہے تھے، مغرب کا وقت ہو گیا تو قریب ہی ایک مسجد تھی۔ اس میں چلے گئے۔ مکبّر نے تکبیر کہی تو امام صاحب جماعت کرانے کے لئے آگے بڑھے خواجہ حسن افغانؒ بھی امام صاحب کے مقتدی کی حیثیت سے نماز ادا کی۔ نماز ہو چکی تو خواجہ حسنؒ نے امام صاحب سے تخاطب فرماتے ہوئے کہا، اے خواجہ آپ نے نماز پڑھائی اور

عین نماز میں آپ دہلی سے بنگال تشریف لے گئے اور وہاں سے غلام و بردے خرید کر واپس آ گئے۔ انہی غلاموں کو بیش قیمت پر بیچنے کے لئے عرب روانہ ہو گئے اور آپ کی نگرانی میں مجھے خواہ مخواہ مارا مارا پھرنا پڑا۔" فرمایئے! یہ کون سی نماز ہے اور اسے کس نام سے موسوم کریں۔" امام صاحب سن کر بہت حیران و خجل ہوئے۔

آپ نے ولایت کے مرتبہ جلیلہ پر فائز ہوتے ہی سلسلہ رشد و ہدایت کا آغاز کیا اور اپنے مرشدِ حقیقی سے اجازت لے کر غورغشتیوں کی اصلاح و ہدایت کیلئے چلے گئے۔ آخر یہ ماہتاب ولایت ۶۸۹ھ میں غروب ہو گیا۔ مزار مقدس حضرت شیخ الاسلام کے روضہ کے پائیں میں واقع ہے۔

بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا

بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا اُن خوش بخت عورتوں سے ہیں جنہیں درجۂ ولایت ملا
دوسرا شرف جو آپ کو ممتاز کرتا ہے یہ ہے کہ آپ کے خسر ولی تھے اور بیٹا ولی
تھا۔ آپ کے والد کا نام سلطان جمال الدین فرغانی تھا۔ آپ والد کی معیت میں ملتان
آئیں۔ سلطان جمال الدین فرغانی حضرت بہاؤ الحق زکریا ملتانیؒ کے مخلص ارادتمندوں
میں سے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے ان سے یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ اپنے بیٹے صدرالدین
عارف کا نکاح بی بی راستی سے کرنے کے متمنی ہیں۔ سلطان جمال الدین فرغانی نے بسر و چشم
اس تجویز کو قبول کیا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام نے اپنے بیٹے صدرالدین عارفؒ کا عقد
حضرت بی بی راستی سے کر دیا اور "عصمت مآب" اور "پاکدامن" کا خطاب مرحمت فرمایا۔

آپ اپنے زہد و اتقاء، نیکی و پارسائی، پرہیزگاری و طہارت، ورع و عبادت میں
یکتائے روزگار تھیں۔ قرآن پاک زبانی یاد تھا۔ ہر روز کلام پاک ختم کرتیں۔ عورتوں میں
سلسلہ سہروردیہ میں آپ ایک بلند مرتبہ ولیہ گذری ہیں۔ آپ اپنے خسر حضرت بہاؤ الحق
والدین زکریا ملتانیؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئیں۔ عملی زندگی میں

کامل واکمل تھی کہ آپ کو دیکھ کر محل کی تمام خادماؤں نے نماز پنجگانہ ادا کرنا شروع کر دی۔ اور سب کی سب پابندِ صوم وصلوٰۃ ہو گئیں۔

ربّ العزت نے آپ کو شیخ ابو الفتح رکن الدین عالم ایسا جلیل القدر بیٹا عطا فرمایا جس کی تعلیم و تربیت میں آپ نے نہایت حزم واحتیاط سے کام لیا۔ ہمیشہ باوضو ہو کر دودھ پلاتی تھیں اور عام عورتوں کی روش سے ہٹ کر دودھ پلاتے وقت لوری دینے کی بجائے قرآنِ پاک کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔ آپ نے ۶۹۵ ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک شہر کے ریلوے سٹیشن کے جنوب کی طرف قبرستان بی بی پاکدامن میں ہے۔ لفظ "مخدومہ" ۶۹۵ ھ سے تاریخ وصال برآمد ہوتی ہے۔

حضرت سرور سکوٹ رح

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ملتا ہے۔ نام سید زین العابدین ہے۔ سلسلہ ارادت حضرت شیخ شہاب الدین ابو حفص عمرؒ سہروردی سے ملتا ہے آپ پر حضور غوث الثقلین کی براہِ راست نظرِ عنایت بھی ہوئی۔ زہد و ورع میں یکتا تھے۔

اپنے پیر طریقت کے اشارے پر اپنے وطن مالوف بخارا سے آکر موضع سکوٹ جو دراصل "سہ کوٹ" (یعنی تین بستیاں تھیں) میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ نے اسی قصبہ میں دولتِ علم وعرفان لٹاتے ہوئے وفات پائی۔ آپ کے مزار کے گرد ونواح میں تین قدیم بستیوں کا پتہ چلتا ہے۔ اغلباً یہی وہ تین بستیاں تھیں جو سہ کوٹ کے نام سے مشہور تھیں۔

حضرت پیر عمر سہروردیؒ

آپ عین عالم شباب میں سندھ سے ملتان آئے۔ یہاں شیخ الاسلام حضرت بہاؤالحق زکریا ملتانیؒ کے ارادت مندوں میں داخل ہوئے۔ حضرت کی ایک نگاہ کیمیا اثر نے تمام مدارج و مراتب روحانی طے کرا دیئے۔ عمر کے آخری ایام میں آپ کے پاس ایک نواب کی بیگم اس ارادہ سے آئیں کہ آپ کی دُعاءِ مستجاب سے میاں بیوی میں محبت و اُلفت کا رشتہ اُستوار ہو جائے۔ آپ نے ایک خذف ریزہ اٹھایا اور اس پر مندرجہ ذیل الفاظ تحریر فرمائے " اگر نواب اپنی بیگم سے محبت کرے تو عمر کو کیا؟ اور اگر نہ کرے تو کیا؟" بعد ازاں نواب کی بیوی کو ہدایت فرمائی کہ وہ خذف ریزے کو اپنے پاس ہی رکھے۔ اس خذف ریزہ کی برکت سے نواب نے اپنی بیوی سے محبت کرنی شروع کر دی بیگم نے شکر سپاس گذاری کے لئے اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک ہمیانی خدمتِ اقدس میں لا کر پیش کی۔ آپ نے دانستہ طور پہ ایک اشرفی اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ بیگم بول اُٹھی۔ سرکار! یہ کھانے کی چیز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا " اگر کھانے کی چیز نہیں تھی تو پھر تم لائی کیوں؟" آپ نے یہ اشرفیاں بیگم کو واپس کر دیں اور قبر کے لئے ایک قطعہ ارضی طلب کیا۔

اس خاتون نے آپ کو حضرت شیخ عارفؒ کے محلوں کی شرقی جانب ایک کشادہ قطعہ اراضی نذر کر دیا۔ ارتحال کے بعد آپ اسی جگہ مدفون ہوئے۔ ہوتے ہوتے یہ قطعہ اراضی ایک قبرستان کی صورت اختیار کر گیا۔ جو ان دنوں "گورستان" کے نام سے مشہور ہے۔

شاہ دانا شہیدؒ

آپ کو شاہ شہید کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ آپ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ آپ کا باطن حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانیؒ کے رنگ میں رنگا ہوا تھا اور ظاہر میں حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے انوار تابناک تھے۔ نور احمد خاں فریدی کے بقول آپ حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق زکریاؒ کے جان نثار خدام میں سے تھے۔ آپ یہی ان کی پرورش اور دیکھ بھال اپنی اولاد سے زیادہ کیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام کو ان پر حد درجہ اعتماد تھا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد یہ حضرت صدرالدین عارفؒ کے معتمد خاص کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور شیخ عارفؒ ہی کے حین حیات میں وفات پائی۔ ملتان میں ہی تکفین و تدفین ہوئی۔ مزار دہلی دروازہ ملتان کے اندر ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ :

خواجہ اویس کھگہ رح

ان کا نام شیخ جلال الدین ہے۔ آپ حضرت شیخ الاسلام رکن الدین عالم کے زمانہ میں عرب سے ہندوستان آئے اور ملتان میں سکونت پذیر ہوئے۔ تمام عمر خدمت خلق اور استرضاءِ حق میں گذاری۔ آخر ۔۔۔ھ کو ان کی روح جنت الفردوس کے نورانی حجروں میں جھولنے لگی اور جسم اطہر خاکِ ملتان کا پیوند بنا۔ بستی دائرہ ملتان کو آپ کے مدفن بننے کا شرف حاصل ہے۔ مقبرہ کی اساس و بنیاد حضرت رکن الدین ابوالفتح نے اپنے ہاتھ سے رکھی۔

حضرت عبدالرشید حقانیؒ

جن بزرگوں کے وجودِ مسعود سے خاندان و سلسلہ عالیہ قادریہ کی عظمت و جلالت بڑھی حضرت عبدالرشید حقانیؒ ان میں سے ایک ہیں۔ رشتہ کے لحاظ سے آپ حضرت بہاد الحق زکریا سہروردی ملتانیؒ کے چچازاد بھائی ہیں۔ اور میراں سید علی کے خلفاء میں سے ہیں۔ ایک مدت اپنے پیر طریقت کی خدمت میں رہے اور خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد ملتان میں مشرقی جانب آکر اقامت گزیں ہوئے۔

آپ نے چار شادیاں کیں۔ پہلی شادی حضرت غوث بہاالحق زکریا ملتانیؒ کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ دوسری شادی شاہ تغلق کی لڑکی سے ہوئی۔ کہتے ہیں شاہ تغلق کو ما حضر تناول کرتے ہوئے اس میں کرم نظر آتے تھے۔ حضرت کی نظر کرم سے اس مصیبت سے نجات ملی اور بادشاہ نے عقیدت و محبت کی بناء پر اپنی لڑکی کا آپ سے نکاح کر دیا۔

تیسری شادی رائے لونا کی لڑکی سے ہوئی اور چوتھی شادی قوم مرل کی ایک خاتون سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولادِ نرینہ سے نوازا۔ چار بیٹے عطا کئے اور چاروں کے چاروں ہی مرتبہ ولایت پر فائز ہوئے۔ ان کے نام ترتیب وار یہ ہیں۔ مخدوم ابوبکرؒ

مخدوم محمدؒ، مخدوم حسنؒ اور مخدوم ایوب شاہ صدر قتالؒ۔

حضرت رشید حقانی نے ۶۶۹ ھ میں وصال فرمایا اور موضع مخدوم رشید تحصیل مُلتان میں سپردِ خاک ہوئے موضع مخدوم رشید میں آپ نے رفاہِ عامہ کے کئی کام کیے۔ آپ کا کنواں بہت مشہور ہے۔ کہتے ہیں جو شخص اس کنویں سے پانی پیتا ہے جملہ امراض سے شفایاب ہو جاتا ہے۔ آپ کا روضہ ایک قابلِ دید عمارت ہے۔

حضرت سُلطان ایوب قتالؒ

آپ مخدوم عبدالرشید حقانی کے پوتے ہیں۔ آپ کو دادا نے حکم دیا کہ وہ بھیڑ بکریاں چرایا کریں جو سنتِ اولیاء و انبیاء ہے۔ آپ کئی سال تک دادا کے ارشاد کی تعمیل کرتے رہے اسی عالم میں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقی ہوئے۔ خضر علیہ السلام نے انہیں اپنی توجہ سے صاحبِ کشف و کرامات بنا دیا۔ آپ نے ۷۶۹ ھ میں وصال فرمایا اور دُنیا پور میں سرکاری جنگل کے نزدیک آپ کو دفن کیا گیا۔ وہیں آپ کا مزار ہے۔

حضرت شاہ حسین آگاھی

آپ اپنے زمانے کے صاحبِ کمال وجمال بزرگ تھے، باطن اس قدر منور و تاباں تھا کہ آپ ہر کام کے حُسن و قبح سے قبل از وقت آگاہ ہو جاتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ حسین آگاہی کے نام سے مشہور ہوئے۔ بیشتر لوگ اپنے کاروبار شروع کرنے سے پہلے آپ سے نفع و نقصان کے متعلق استخبار کیا کرتے تھے اور آپ بذریعہ استخارہ ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔ ملتان میں جس بازار کا نام "حسین آگاہی" ہے اس میں آپ کا مزارِ اقدس ہے رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت پیر دربر شاہ رح

آپ حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق زکریا ملتانی کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ ملتان میں جلال الدین فیروز کی صوبیداری کے زمانہ میں وارد ہوئے۔ حضرت ملتانی کے چشمۂ رحانیت

سے سیراب ہو کر زہد و ریاضت میں مشغول رہے اور ۷۹۶ھ میں انتقال فرمایا۔

آپ ایک مختصر سے مگر خوشنما گنبد جو حضرت شیخ الاسلام غوث ملتانی اور حضرت رکن الدین ابوالفتح کے مزارات کے درمیان واقعہ ہے۔ میں مدفون ہیں چونکہ آپ دو بزرگوں کے دائیں بائیں پہلو میں آسودہ ہیں اسی وجہ سے آپ کو پیر دربرشاہ کے وصفی نام سے پکارا جاتا ہے۔ آپ کا اصل نام نامعلوم ہے۔ آپ کے مزار کی شمالی سمت مندرجہ ذیل شعر نہایت خوشخط لکھا ہوا ہے۔

روئے پاکاں ھر کہ بیند صبح و شام
آتش دوزخ بود بروے حرام!

شیخ حسین کاہ برؒ

ان کو حضرت شیخ بہاء الحق والدین زکریا ملتانی کا ہمعصر ہونے کا شرف حاصل ہے سکر و مستی کی حالت طاری ہونے سے پہلے گھاس کھود کر نان و نفقہ کا سامان کرتے تھے۔ جب جذب و مستی کی حالت طاری ہوئی تو شراب خانہ میں ڈیرہ جمالیا۔ کہتے ہیں ایک دن حضرت شیخ الاسلام ملتانیؒ ان کے پاس خرابات میں جا پہنچے شیخ حسینؒ نے آپ کو پیالہ پیش کیا۔ حضرت شیخ الاسلام نے ادبا اپنے گریبان میں الٹ لیا اور گھر آکر پیرہن اتار دیا۔ خادم کو حکم دیا کہ اسے دھو دیا جائے۔ خادم نے

داغ دھونے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر اس مقام کو چوس لیا۔ خادم نے ایسا کیا تھا کہ انشراحِ صدر ہو گیا اور وہ عارفۂ زماں بن گئی۔ اس کی اکثر باتوں میں تقدیر کا رنگ جھلکتا نظر آتا تھا۔ شیخ حسین نے ملتان ھی میں انتقال کیا اور یہیں آپ کی خواب گاہ ہے۔

حضرت شاہ علی محمدؒ

ان کا نام شاہ علی محمد اور لقب شیر شاہ ہے۔ دسویں صدی ہجری کے عین وسط میں اپنے وطن مالوف مشہد مقدس سے ملتان آئے اور سلسلہ ارادت اوچ شریف کے آستانہ سے قائم کیا۔ حضرت محمد غوث بندگی گیلانی ؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ارشادِ مرشد کے مطابق دریا کے کنارے تقریباً بارہ سال تک ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے جس مقام پر حضرت نے چلّہ کشی کی وہ اب تک چاہ چلّہ والا کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

آپ سے بہت سی خوارق و کرامات کا ظہور ہوا۔ ان بے شمار کرامتوں کے ظہور سے لاکھوں انسان آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ خلقِ خدا کی خدمت کا جنون تھا۔ غربا و مساکین کی خدمت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہر رات معمول کے مطابق چالیس فقیروں کے پاؤں دباتے تھے۔ ایک رات اتفاق سے چالیس میں سے ایک

فقیر کم ملا۔ آپ نے اپنے معمول و عادت کی تکمیل میں ایک کتے کے پاؤں دبانے شروع کر دیئے۔ فراغت کے بعد اپنی رہائش پر آئے تو اسی شب ایک شخص غیب سے نمودار ہوا۔ جس کے ہاتھ میں چاولوں کی ایک رکابی اور پانی کا ایک برتن تھا۔ دونوں چیزیں پیش کرنے کے بعد اس نے آپ کو یہ خوش خبری دی کہ آپ کا چلہ بارگاہ ربانی میں شرف قبولیت حاصل کر چکا ہے اور یہ مشروب و ماکول بہشت بریں سے لایا ہوں۔ اسے کھا لیجیئے۔ حضرت شاہ علی محمدؒ نے تبرکاً اس میں سے چند لقمے لئے اور کھا کر سجدۂ تشکر ادا کیا۔ اس کے بعد آپ کو کچھ رقم پیش کی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے ہوس مال و زرِ دُنیا نہیں ہے۔ جب وہ مردِ غیب زیادہ اصرار کرنے لگے۔ آپ نے پندرہ روپے اٹھا لیئے۔ پھر وہ شخص یہ کہہ کر غائب ہو گیا کہ آپ کی بقاءِ نسل تک یہ روزینہ ملتا رہے گا۔

روحانی و دینی دولت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ کے چھ فرزندوں میں سے صرف شاہ شیر محمدؒ صاحب اولاد ہوئے۔ مقبرہ دریائے چناب کے کنارے بمقام شیر شاہ واقع ہے۔ دریا کی طغیانی کے باعث مقبرہ گر گیا تو آپ کے تابوت کو چاہ شریفاں والا لا کر دفن کیا گیا۔ دوبارہ تدفین کے وقت بیشتر لوگوں نے آپ کی زیارت کی۔ نعش مبارک بالکل صحیح و سالم تھی۔

حضرت سیّد موسیٰ پاک شہیدؒ

اصل نام سید ابوالحسن ہے لیکن دُنیائے علم و عرفان میں سید موسیٰ پاک شہید کے اسم گرامی سے معروف ہیں۔ آپ دسویں صدی ہجری کے وسط میں شہر معرفت اوچ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت سید حامد گنج بخش گیلانی اوچی تبحرِ علم و فضل اور استحضار حق میں یگانۂ روزگار تھے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کے مُورثِ اعلیٰ حضرت شیخ محمد غوث جیلانی جو حضرت غوث الاعظم کی اولاد ہیں۔ ولایت روم سے خراسان کے راستے اوچ شریف میں اقامت گزیں ہوئے، آپ کے مجد و شرف، زہد و اتقاء، کشف و کرامت اور فیضانِ رُحانی کا شہرہ دُور دُور تک پھیل گیا۔

حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ کو قدرت نے بہت ہی اعلیٰ جبلّی صفات سے سرفراز فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے تمام علوم متداولہ اور قرآن و حدیث میں بچپن ہی میں نہایت قلیل عرصہ میں مہارت تامہ حاصل کر لی تھی۔ بعدازاں علم باطنی میں بھی کمال پیدا کیا۔

باپ نے جب دیکھا کہ ان کے نورِ نظر ظاہری و باطنی تعلیم سے خوب آراستہ و پیراستہ ہو گئے ہیں تو حضرت کو "جمال الدین ابوالحسن" کے خطاب سے نوازا۔ آپ کے والد کو آپ سے اس قدر محبت و اُلفت تھی کہ آپ نے اپنے حینِ حیات میں ہی

ان کو اپنے مسندِ مشیخت کا وارث بنا دیا۔ آپ کے بڑے بھائی نے سجادہ نشینی کے لیے ہاتھ پاؤں مارے لیکن فیصلہ آپ کے حق میں ہی ہوا۔

آپ کی صحبت میں وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء اور عرفا بیٹھا کرتے تھے اور آپ بڑے بڑے نکات اور ادق مسائل بڑے لطیف انداز میں حل فرمایا کرتے تھے۔ جن بزرگوں نے آپ کے دستِ حق پرست بیعت کی اُن میں سے حضرت شیخ عبدالحق محدث[1] دہلویؒ کا اسم گرامی قابلِ ذکر ہے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کو حضور غوث پاکؒ سے خاص الفت و عقیدت تھی ہر وقت ان کی یاد میں حرزِ جاں رہتی۔ آپ کو کئی مرتبہ بحالت خواب و بیداری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت باسعادت نصیب ہوئی۔

آپ کا دور بڑا پُرفتن دور تھا۔ ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ قزاق و رہزن ملک میں تباہی مچا رہے تھے۔ انہی

---

[1] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت شیخ سیف الدینؒ کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ ماہ محرم ۹۵۸ھ بمطابق ۱۵۵۱ء میں بمقام دہلی متولد ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت و خیالات کی نشوونما میں ان کے والد بزرگوار کا خاص حصہ ہے (شیخ کے والد حضرت شیخ امان اللہ پانی پتی کے مرید تھے) شیخ نے عربی میں کامل دستگاہ، علم کلام میں کلی مہارت اور منطق پر کامل عبور حاصل کیا۔ عمر بھر ان کے ایک ہاتھ میں جام شریعت اور دوسرے ہاتھ میں سندان عشق رہا۔ شیخ کو مشائخ کرام کی صحبت میں بیٹھنے اور روحانی و علمی فیضان سے بہرہ ور ہونے کا بہت شوق تھا چنانچہ آپ نے اپنے روحانی ذوق و شوق کی تکمیل کے لیے حضرت موسیٰ پاک شہید ملتانی کا دامن تھاما حضرت موسیٰ پاک شہید کو حضرت شیخ پر بہت فخر تھا۔ شیخ محدث دہلوی نے ۹۴ سال کی عمر میں ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی۔ (رحمتہ اللہ علیہ)

قزاقوں کے ایک گروہ نے حضرت موسیٰ پاک شہیدؒ کے ارادت کیشوں کی بستی پر حملہ کر دیا۔ آپ کو پتہ چلا تو اپنے انتقال کی پیشین گوئی کر دی اور ان قزاقوں اور راہزنوں کی گوشمالی کے لیے بہ نفسِ نفیس روانہ ہوئے۔ آپ کے آنے کی خبر پا کر قزاق بھاگ گئے لیکن ایک بد فطرت و بد نہاد آدمی جو قوم لنگاہ سے تعلق رکھتا تھا نے حضرت کے پہلو میں تیر مارا جو جان ستان ثابت ہوا۔ چنانچہ آپ ۵۸ سال کی عمر میں ۲۲ شعبان ۱۰۱۰ھ میں شہید ہو گئے۔ اور والد صاحب کے قدموں میں برزخی زندگی کے لیے جگہ ملی۔ لیکن ان کی اولاد کو بحالتِ خواب یہ اشارہ ہوا کہ تم نے قطبِ ارشاد کو میرے قدموں میں دفن کر دیا ہے اور تمہارے اس عمل سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے۔ یہ اشارہ ملتے ہی آپ کو آپ کے صاحبزادے نے ملتان کے قریب موضع منگے میں سپردِ خاک کیا اور خود ملتان میں ہی اقامت گزیں رہے۔ اس واقعہ کے پندرہ سولہ سال بعد آپ کے ایک صاحبزادہ سیّد حامد گنج بخش نے آپ کا تابوت دوبارہ ملتان منتقل کر دیا۔ اتنا عرصہ گذرنے کے بعد آپ کی نعش صحیح و سالم پائی گئی سبحان اللہ۔

آپ کی اولادِ پاک سے سید حامد گنج بخش کو مسندِ ارشاد ملی۔ دیگر تین صاحبزادگان بھی بہت بڑے اہل اللہ تھے۔ ان کے نام سید یحییٰ نواب ملتانی، سید عیسیٰ اور سید جان محمد ہیں۔ ان میں دو کے مزارات بالترتیب پاک دروازہ اور "حرم دروازہ" کے متصل ہیں۔ لیکن سید جان محمدؒ کا مزار دہلی میں ہے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کا مزار مقدس پاک دروازہ ملتان کے اندر واقع ہے جو آپ کے نام سے ہی معروف ہے۔

حضرت سُلطان احمد قتّال

اوچ شریف کا مقام اہلِ علم و عرفان کی موجودگی کے باعث اہلِ نظر کی نگاہوں میں خاص احترام رکھتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے عرفأ اور اولیاء اللہ جلوہ آرا ہوئے حضرت حضرت سلطان احمد قتّال رحمتہ اللہ علیہ کا مولد بھی یہی قصبہ ہے۔ آپ کی ولادت ۸ویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی سید علم الدین شاہ ہے جو حضرت سید جلال حسنی اوچوی کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت سلطان احمد قتّال شکم مادر سے ہی ولی پیدا ہوئے اور بچپن سے ہی صاحب کرامت ہوئے اُن کے زمانۂ طفولیت میں درگاہ کے خادم نے آپ کو بطور تادیب ایک طمانچہ مار دیا۔ قدرتِ خدا سے اس کا وہ ہاتھ جس سے اُس نے حضرت کو مارا تھا سُوکھ گیا۔

جوان ہوئے تو مختلف فقرا کی صحبتوں میں رہنے لگے اور منازلِ سلوک طے کرتے رہے۔ اکیس سال کی عمر میں آپ نے باقاعدہ حضرت علی سرورؒ سے بیعت کی اور انہیں کے ہاں وقت گذارتے رہے۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنے قطبِ ارشاد کے پاس اس وقت بیٹھے

تھے جب وہ آرام فرما رہے تھے۔ اس عالم میں کچھ چڑیاں آکر شور مچانے لگیں۔ آپ کو چڑیوں کی چہل پہل اس لئے بری لگی کہ وہ پیر طریقت کے آرام میں مخل ہو رہی تھیں چنانچہ آپ نے چڑیوں سے کہا "چڑیو مر جاؤ" ۔ یہ کہنا ہی تھا کہ سب چڑیاں مر گئیں۔ حضرت کے مرشد بیدار ہوئے تو چڑیوں کو جا بجا مرا پایا اور حضرت سلطان احمد کو قتال کہہ کر مخاطب کیا۔ بس اسی روز سے آپ قتال کے لقب سے مشہور رہے۔

آپ نے اپنے پیر طریقت کی معیت میں کئی بار حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا اور بغداد، کربلائے معلیٰ و بخارا سے ہوتے ہوئے ملتان واپس آگئے۔ حضرت شیخ ابوالفتح رکن عالمؒ کے مزار مقدس پر بیٹھ گئے اور بعد ازاں گم گشتگان راہ کو صراطِ مستقیم دکھائی۔ نیلی بار کے جنگلی جو لکھویرہ اور سلدیرہ قوم سے تعلق رکھتے تھے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ مادر زاد ولی تھے۔ چنانچہ آپ سے بلا ارادہ کرامات کا ظہور ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک بنیا ہندو دکاندار مر گیا جس سے آپ لین دین رکھتے تھے۔ اس کی ارتھی کو لئے جا رہے تھے تو آپ نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ متوسلین نے عرض کی حضور! یہ وہی ہندو ہے جس سے آپ کا حساب کتاب تھا۔ یہ سن کر آپ اس کے قریب آئے اور فرمایا "لالہ ہمارا حساب تو کرتے جاؤ" حضرت کے اس ارشاد سے وہ بحکمِ خدا زندہ ہو گیا اور حساب سمجھا کر پھر مر گیا۔

آپ ۱۰۴۱ھ میں لاکھوں انسانوں کو جادۂ حق دکھلانے کے بعد وصال فرما گئے مزار اقدس موضع جلال پور پیر والا ملتان میں ہے جس کی پختہ عمارت دیدہ زیب ہے۔

حضرت جلیب شاہؒ

ان کو حضرت شیخ غوث الاعظمؒ سے خاندانی نسبت ہے۔ چنانچہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت جلیب شاہؒ کے مورث اعلیٰ ہیں۔ اُن کے والد سید فتح اللہ شاہ بغداد میں بڑے ممتاز بزرگوں میں سے تھے۔ بغداد ہی آپ کا مولد ہے۔ بچپن سے ہی ذہن رسا پایا تھا۔ آپ نے تمام علوم متداولہ کی تحصیل بارہ برس کی عمر میں کر لی۔ حصولِ تعلیم کے بعد زہد و ریاضت میں مشغول ہو گئے اور کئی چلّے کاٹے۔ آپ نے اپنے جدا مجد غوث معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد عالیہ کے تحت بغداد کو خیرباد کہہ کر رشد و ہدایت عوام کے لئے پنجاب کے ایک شہر میں سکونت اختیار کی۔ یہاں بھی نفس کشی اور ریاضتِ شاقہ میں مشغول رہے آپ سے لاتعداد کرامتوں کا ظہور رہا۔

کہتے ہیں شاہجہان شہاب الدین بادشاہ ہند نے ایک سوداگر کے کچھ روپے افسرِ خزانہ کے ایکار پہ ادا نہ کئے۔ وہ بیچارہ دلگرانی و دلگیری کے عالم میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض معروض کی۔ حضرت نے شاہ جہان کو عالمِ خواب میں چارپائی سمیت اپنے ہاں بلوالیا۔ اور اس کی دادرسی کرائی۔ شاہجہان آپ کا

عقیدت مند ہوگیا اور آپ کو موضع بغداد بطور نذرانہ پیش کیا۔ انتقال کے بعد یہیں مدفون ہوئے۔

پیر جیون شاہ سلطانؒ

آپ قوم جہار کے باعظمت و رفعت فرد ہیں۔ آپ کا سلسلۂ بیعت حضرت شیر شاہ سید علی محمد شیر شاہیؒ سے ہے۔ اور اُن کے خلفاءِ اجلّہ میں سے ہیں۔ پیر نے اُنہیں خوش ہوکر "سلطان" کے لقب سے نوازا۔ شاہجہان کو آپ سے حد درجہ عقیدت تھی اور آپ کے نام پر اُس نے کئی رفاہِ عامہ کے کام کئے اور جاگیریں بھی بخشیں۔

آپ کو انتقال کے بعد موضع اپٹریں جو کہروڑ سے لودھراں کی جانب چھ میل کے فاصلے پر ہے دفن کیا گیا۔ مزار مقدس پر عوام الناس کا جمگھٹا رہتا ہے۔

پیر بُرہانؒ

دُنیا میں کئی بادشاہ اور حاکم ایسے گذرے ہیں جنہوں نے بادشاہی میں فقیری کی ہے عراق عجم میں حضرت ابراہیم ادھم کا نام نامی قابل ذکر ہے اور ہندوستان میں سُلطان ناصرالدین محمود اور اورنگ زیب عالمگیر کے اسماء پیش کیے جانے کے قابل ہیں۔ حضرت پیر بُرہان بھی باوجود ایک باعظمت حاکم کے فقیر دوست اور فقیر طبع تھے۔ آپ کو مخلوق خُدا سے از حد محبت تھی۔ اور خزانے کی رقم غرباء فقراء اور رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے مرکزی حکومت کے خزانے کیلئے ہمیانوں میں خذف ریزے بھروا کر بھیج دیئے۔ اللہ تعالےٰ کو اپنے معزز و مکرم بندے کی تعظیم تکریم مقصود تھی چنانچہ وہ ٹھیکریاں قدرتِ حق سے اشرفیاں بن گئیں اور دہلی دربار میں آپ کی ایمانداری و حُسنِ معاملہ کا چرچا ہوا۔ جن لوگوں نے تھیلیوں میں خذف ریزے بھرے اور دہلی جاکر انہیں اشرفیوں میں تبدیل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ فوراً آپ کے معتقد ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے سلسلۂ رُوحانی قائم کیا اور فیضیاب ہوئے۔

آپ کا مزار کہروڑ سے مشرق کی طرف نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔

سخی شاہ حبیبؒ

لوگوں میں غلطی سے مشہور ہو گیا ہے کہ یہ دراصل شہاب الدین شاہجہاں کے بیٹے ہیں جن کا اصل نام شاہ شجاع تھا اور دنیا سے ترک تعلق کر کے شاہ حبیب کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ بڑے فیض رساں بزرگ تھے۔ ان کے مریدوں میں سے شاہ چراغ پنڈی والے، شوق الٰہی بہاولپوری اور رسول شاہی فقرا مشہور ہیں مزار ملتان میں ہی ہے جو دولت دروازہ کے باہر واقع ہے۔

نواب سید موسیٰ پاک دینؒ

آپ اپنے اصلی نام کی بجائے لقب شیخ الاسلام نواب موسیٰ پاک دین سے زیادہ جلنے پہچانے جاتے ہیں۔ اصل نام ابوالغیاث سید فتح علی ہے۔ خاندانی سلسلہ حضرت موسیٰ پاک شہید سے ملتا ہے۔ رشتے میں آپ ان کے پوتے ہیں۔ والدہ محترمہ کا نام امتہ الرزاق فاطمہ ہے اور والد کا نام مخدوم سید حامد گنج بخش ہے۔ والدین

حسنی حسینی سید ہیں۔ ظاہر و باطن میں اپنے مورثِ اعلیٰ حضور غوث الاعظم کا نمونہ تھا۔ آپ کو علوم شریعت پر پورا عبور تھا اور روحانیت کے بحر بیکراں تھے۔

ان کے حُسنِ تدبیر، حسنِ تعقل، حسنِ انتظام اور حسنِ قابلیت کے پیشِ نظر شہاب الدین شاہجہان نے ملتان کی صوبیداری سپرد کی ہوئی تھی۔ بطور صوبیدار تاریخ تقرر ۱۰۶۸ھ ہے صاحب خلقِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے عکسِ جمیل ہونے کے باوصف آپ اپنی جلالت و دبدبہ میں بھی بے مثال تھے۔ بڑے دلیر، بہادر اور متہور آپ کے سامنے آکر بات کرنے سے جھجکتے تھے۔ مغل شہزادوں میں سے شہزادہ دارا شکوہ آپ کا بہت عقیدت مند تھا۔ جب تخت و تاج کے حصول کے لئے جنگ ہوئی تو دارا شکوہ اورنگ زیب کے ہاتھوں شکست کھا کر آپ کے پاس امان طلبی کے لئے آگیا۔ آپ نے دارا شکوہ کو یقین دلایا کہ اورنگ زیب اُسے کچھ نہ کہے گا۔ لیکن دارا شکوہ کی دہشت یقینی اُسے لے ڈوبی۔ اورنگ زیب برق وباراں کی طرح ملتان کی طرف بڑھ رہا تھا اس کی آمد کی خبر سے بھاگ کھڑا ہوا اور حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ کی ضمانت کو یکسر بھول گیا۔

چنانچہ ملتان آکر اورنگ زیب نے آپؒ سے دارا کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے بے دھڑک ارشاد فرمایا "دارا شکوہ ہماری بارگاہ میں باریاب ہوا تھا لیکن نہایت بے قدری سے یہاں سے چلا گیا۔ یہ جواب سن کر اورنگ زیبؒ واپس چلا گیا۔

دارا شکوہ شاہجہان کا لاڈلا بیٹا تھا۔ یہ اپنے پردادا اکبر کی طرح ہر مذہب و کیش سے متاثر تھا۔ خاص کر ہندومت اور اکبر کا دین الٰہی اس کے رگ و پے میں سرایت کر چکے تھے۔ شاہجہان تخت و تاج اسے دینے کی طرف مائل تھا لیکن گردون آستان فقیر صاحب شمشیر اورنگ زیب عالمگیر کی فراست و طاقت کے سامنے دونوں باپ بیٹا نہ جم سکے۔ آخر اپنے ارتدادی والحادی عقائد کے باعث اورنگ زیب کے ہاتھوں قتل ہوا۔

آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا۔ ایک دن آپ نے بڑے متاسفانہ لہجہ میں سرد آہ بھری۔ حضرت کے ایک مرید خاص نے اس کی وجہ پوچھی۔ فرمایا شہزادہ داراشکوہ نے اپنے بھائیوں سے شکست کھائی ہے۔ کچھ دن بعد جب آگرہ کی لڑائی کی خبر پہنچی تو آپ کی روشن ضمیری کے سب لوگ قائل ہو گئے۔

آپ علم و فضل کا مرقع تھے۔ ان کے عرفان و کمال کے پیش نظر شاہ ہند شاہجہان نے کئی جاگیریں اور وظائف دے رکھے تھے۔ آپ کے پوتے حضرت سیّد عبدالرزاق کو بھی منصب نوابی عطا ہوا لیکن انہوں نے قبول نہ فرمایا۔ آپ کا وصال ۲۲ جمادی الثانی ۱۰۷۳ھ کو ہوا۔ اور اپنے جدِ امجد کے روضہ میں دفن ہوئے۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے جو مخدوم شیخ عبدالقادر ثالث المعروف سیّد نجیب الدین سیّد حامد اور سیّد حسین کے ناموں سے مشہور ہیں۔ یہ تینوں بزرگ حسن سیرت و صورت اور علوم ظاہری و باطنی سے مرصع تھے۔ اُن کی شانِ جلال و جمال کے پیش نظر شاہان وقت بیش قیمت تحائف بھیجا کرتے تھے۔

میاں عبدالحکیمؒ

آپ کے والد جناب غلام علی کپڑے دھویا کرتے تھے اور اسی پارچہ شوئی کے کام سے اہل و عیال کو نان و نفقہ مہیا کیا کرتے تھے۔ عام لوگوں کے کپڑوں کے علاوہ اس زمانے کے ایک ولی حاجی رحمت علیؒ کے پارچات بھی حضرت میاں عبدالحکیمؒ کے

کے والد کے ہاتھوں ہی دُھلتے۔ چنانچہ کپڑوں کی واپسی کے وقت یہ بزرگ میاں غلام علی کی بہت تعظیم کیا کرتے۔ لوگوں نے اس تعظیم و تکریم کا سبب پوچھا تو فرمایا "اس شخص کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اپنے وقت کا قطب ہوگا۔ اس لئے یہ سب تعظیم و توقیر اسی بچہ کے باعث ہے۔

حضرت میاں عبدالحکیم پیدا ہوئے تو چند حجاج آپ کی جائے پیدائش پر آئے اور چند چیزیں جو ایک لوٹے، جائے نماز اور ایک تسبیح پر مشتمل تھیں بطور ہدیہ پیش کیں اور کہا بشارت ہو یہ چیزیں ہم مکہ مکرمہ سے تحفہ لائے ہیں۔ چنانچہ آپ بڑے ہوئے تو طبیعت عبادت کی طرف مائل ہوگئی اور انہماک و استغراق کی حالت طاری ہوگئی۔ آپ کے والد میاں غلام علی مرحوم اپنی شیخوخت اور بڑھاپے کے پیش نظر لوگوں کے کپڑوں کی دُھلائی میں تاخیر کرنے لگے۔ لوگوں نے بہت تنگ کرنا شروع کر دیا تو اپنے بڑھاپا کا اظہار کر کے معذرت کر دیتے اور اکثر گلا کرتے کہ ایک لڑکا پیدا ہوا وہ بھی ممد و معاون ثابت نہ ہوا۔ ایک دن آپ نے یہ الفاظ اپنے کانوں سے سن لئے اور نہایت ادب و احترام سے والد محترم سے پوچھا کہ کیا کام ہے اور کتنا کام ہے ضعیف و ناتواں باپ نے تقریباً پانچ سو کپڑوں کو علیحدہ علیحدہ رنگنے کا کام بتایا۔ آپ نے تمام کپڑے پانی میں ڈال دیئے اور جس جس رنگ کا جو جو کپڑا مطلوب تھا۔ رنگا رنگیا پانی سے باہر آجاتا۔ باپ نے بچے کا یہ عالم دیکھا تو فوراً تعظیم بجا لایا۔

آپ نے ۱۱۴۵ھ میں مخلوق خدا کی خدمت و ہدایت کا کام سرانجام دیکر وفات پائی موضع عبدالحکیم والا آپ کے نام نامی سے موسوم ہے اور یہی مزار ہے جو مرجع عام و خاص ہے

حافظ محمدؐ جمال ملتانیؒ

آپ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی (چشتیاں شریف) کے خلفاء میں سے ہیں آپ نے فیضیاب ہونے سے پہلے حضرت خواجہ خواجگان ابوالفتح رکن الدین عالمؒ ملتانی کی بارگاہ فیض برساں میں حاضر ہوئے اور انہی کی ترغیب و رہنمائی سے آپ حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کی زیارت و ارادت کے لئے مہار شریف پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپ سے بیعت کی اور آپ نے حافظ صاحبؒ کو وضو کرانے کی خدمت سونپی اور ان کے انتقال تک اسی فریضہ کو سر انجام دیتے رہے۔

تحفۃ الابرار میں مرقوم ہے کہ ملتان میں حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی کے تصرف باطنی کے جاہ و جلال کے پیش نظر کوئی شخص کسی کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت مولانا شاہ فخر دہلویؒ نے حضرت خواجہ نور محمد سے فرمایا کہ اب ملتان ہمارے حوالہ ہو گیا ہے اگرچہ اس سے قبل ملتان پر حضرت خواجہ بہاء الحق والدین زکریا ملتانی کا تصرف کامل تھا۔ اب ضروری ہے کہ کوئی اپنا ارادت کیش ملتان جاکر حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی کے مریدین پر اپنا تصرف کرے۔ چنانچہ حضرت خواجہ مہارویؒ نے حافظ محمد جمالؒ کو ملتان روانہ کیا۔ آپ خانقاہ بہاء الحق میں پہنچے اور حضرت خدا بخش ملتانی کو اپنی ارادت میں لے لیا۔ حضرت خواجہ خدا بخش صاحب ملتانی اپنے زہد و عبادت اور خدمت خلق کے باعث حافظ صاحب کے خلفاء میں شامل ہوئے۔

حافظ محمد جمالؒ صاحب اعوان قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد جناب محمد یوسف صاحب نقلِ مکانی کر کے ملتان آ گئے اور قلعہ کی شرقی جانب اقامت گزیں ہوئے حافظ صاحب کے والد محترم ایک ذی علم و عرفان شخص تھے۔ ان کے تبحرِ علمی کے ہزار ہا لوگ قائل تھے اور یہ بھی دولتِ علم و عرفان لٹانے میں نہایت کریم و اکرم تھے۔ ملتان کے حکام ابوالقاسم اور ابوالہاشم ان کے علم و فضل سے آشنا ہوئے تو آپ کو اپنا معتمد اور وزیر بنا لیا۔

حافظ صاحب بھی علم و فضل میں اپنے والد محترم کی طرح ایک بحرِ بے کراں تھے۔ دقیق سے دقیق مسائل کا حل فرما دیتے اور ایسے ایسے نکاتِ لطیفہ بیان فرماتے جنہیں سن کر حاضرین انگشت بدنداں رہ جاتے اور آپ کی علمی عظمت کے قائل ہو جاتے۔ مسئلہ وحدت الوجود حافظ صاحب کا دلچسپ موضوع تھا اور آپ کو شیخ محی الدین ابن عربی اور مولانا جامیؒ کی تصانیف پر کامل عبور تھا۔ آپ جس وقت اس مسئلہ کے اسرار و رموز بیان فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ علم و فضل کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ آپ نے سلسلۂ چشتیہ کو رواج کیا اور ایک مدرسہ کی بھی بنا رکھی جو علم و فضل کے مراکز میں سے ایک اعلیٰ مرکز تھا۔

آپ نے اپنی زندگی میں شریعت حقہ کی اشاعت و ترویج سب سے مقدم سمجھی اور اس کی بجا آوری میں خاص اہتمام سے کام لیتے تھے۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے عرفان و وجدان کا سب سے بہترین طریقہ مشائخ و اولیاء کرام کا ہے۔ اولیاء کرام کا طریقہ و سلسلہ حضور علیہ السلام سے معتبر ذریعہ سے پہنچا ہے اور یہ طریقہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ رکھتا ہے اور باطن کو اوصاف ذمیمہ سے پاک و منزا کرتا ہے۔ آپ کے پاس ایک مہر تھی جس پر "اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَالَ" کے الفاظ کندہ تھے۔

آپ کے ملتان میں قیام کے زمانے میں پنجاب سکھوں کے زیر اثر تھا۔ بدیں باعث پنجاب کا مسلمان سکھوں کے مظالم کا شکار ہو رہا تھا۔ سکھوں نے ملتان پر بھی قابض ہونے

کے لئے حملہ کیا لیکن حافظ صاحب کی زندگی میں ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔ آپ نے پنجاب کے ظالم سکھوں کا مقابلہ نہایت دلیری و جرأت اور عالی ہمتی سے کیا اور ان کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو بڑے تدبّر اور بہادری سے روکا۔ جب حالات زیادہ متردد ہوئے تو بذاتِ خود اسلحہ سے مسلح ہو کر میدانِ جنگ میں آئے۔ حملہ کی اطلاع ملی تو آپ اپنے ساز و سامان سے آراستہ قلعہ میں موجود تھے۔ ایک دوسرے موقع پر آپ نے غنیم پر تیروں کی بارش کی۔

ایک دفعہ آپ کی غیر موجودگی میں سکھ حملہ آور ہوئے۔ اطلاع یابی پر آپ فوراً دریا پار کر کے معرکہ میں شریک ہو گئے۔ سکھوں نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ حملہ کیا۔ لوگوں میں سخت افراتفری اور بے اطمینانی پھیل گئی۔ بعض اصحاب نے سراسیمگی کے عالم میں ہجرت کر جانے کا ارادہ کیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا "کفار سے جنگ کی دعوتِ عام ہو رہی ہے اور اب اُن سے جنگ فرضِ عین ہے لہٰذا دریں حال میں باہر ہرگز نہ جاؤں گا۔ کیونکہ میرے لئے جنگ دو مراتب کی داعی ہے۔ ایک غازی ہونا اور دوسرا شہادت پانا" ان الفاظ سے آپ نے کفار سے مقابلہ میں پہل کی۔ آپ تیر اندازی میں بے مثال تھے اور اپنی مہارتِ تامہ کے سبب کبھی تیر قضا نہ جانے دیتے تھے۔ اپنے بعض متوسلین کو تیر اندازی کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔

آپ نے ۱۲۲۶ھ کو صفراوی بخار میں مبتلا ہو کر وفات پائی اور اپنے حجرہ میں ہی مدفون ہوئے۔ روضہ انور شہر سے باہر عام خاص باغ کے متصل واقع ہے عمارت پختہ اور دیدہ زیب ہے۔

آپ نے روحانی فیوض و برکات سے لاکھوں مردانِ خدا کو نوازا اور بہت سے خاص لوگوں کو خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز کیا۔ آپ کے خلفاء میں سے حضرت خواجہ خدا بخش ملتانی، میاں محمد حسین صاحب، مفتی غلام حسن خاں شہید، قاضی عیسیٰ خانپوری، مولوی

محمد موسیٰ اور سید زاہد شاہ خاص طور پر مشہور ہیں۔

منشی غلام حسن شہیدؒ

سرزمین ملتان ہی آپ کا مولد ہے۔یہیں سنِ رُشد کو پہنچے اور علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل فرمائی حضرت خواجہ محمد جمال مُلتانیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے مُرشد سے عقیدت و ارادت اس قدر بڑھ گئی کہ روز و شب انہیں کی خدمت و زیارت میں گزرنے لگے۔ حضرت خواجہ محمد جمالؒ بھی آپ پر از حد مہربان تھے۔آپ نے اپنی نظرِ عنایت اور فیضانِ خاص سے انہیں راہِ سلوک کے تمام مراتب طے کروا دیئے اور اپنا خلیفہ اعظم بنایا۔آپ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے۔لوگ نزدیک و دُور سے تبرکاً کتابیں لکھوانے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔اس لئے آپ منشی صاحب کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ اعلیٰ درجہ کے شاعر و سخنگو تھے اور صاحبِ دیوان بھی۔آپ کا دیوان قبولیتِ عامہ کا حامل ہوا۔

کہتے ہیں کہ حضرت غلام حسن شہید نہایت حسین و جمیل تھے اس ظاہری حسن و جمال کے ساتھ حُسنِ سیرت میں بھی یگانہ تھے۔آپ کے ظاہری حسن و جمال کو دیکھ کر لوگوں کی زبان پر" سبحان اللہ آ جاتا تھا۔ صاحبِ نظر لوگ ان میں "احسنِ تقویم" کا عکس دیکھ کر حُسنِ یوسف کو یاد کیا کرتے تھے۔ایک دن آپ کا ایک خادم آپ کو وضو کرا رہا تھا تو آپ سے پوچھنے لگا " سرکار! لوگ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام حسن و جمال

ہیں ہمسر نہ رکھتے تھے کیا وہ آپ سے بھی زیادہ احسن و اجمل تھے۔ خادم کے ان الفاظ نے آپ پر جذب و کیف کی حالت طاری کر دی۔ افاقہ کے بعد فرمایا "میاں اگر تجھے حُسن و جمال کا مشاہدہ مقصود ہے تو جمال اللہ کے حسن کو دیکھو" پھر مندرجہ ذیل اشعار پڑھے ؎

چشم خدا بیں باز کُشا — نقشِ جمال اللہ ببیں
تا چُمک چین در صورت انساں — ذاتِ مقدس را نگر ی

شہادت

ایک روایت کے مطابق ملتان کے ظاہری حکام کا تغیر و تبدل اس وقت عمل میں نہیں آیا کرتا تھا جب تک باطنی حاکم جو حضرت جمال اللہ کے مریدانِ خاص میں سے ہوتا تھا، وصال نہ کر جاتا۔ انگریزی افواج نے جب شہر پر حملہ کیا تو فتحیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی کسی طریقہ سے پتہ چلایا گیا کہ شہر فتح نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ جب تک حضرت غلام حسنؒ زندہ ہیں تب تک ظاہری حکومت کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک انگریز نے ملتی صاحبؒ کو اپنی بندوق کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

رفیقِ اعلیٰ سے ملنے سے پہلے زبان پر یہ شعر تھا ؎

سر در قدمِ یار فدا شُد چہ بجا شُد
ایں بار گراں بُود ادا شُد چہ بجا شُد

آپ شہر ملتان میں آغا پور کے قریب دیوار میں ایک پختہ تربت میں آرام فرما ہیں

حضرت سیّد عظیم الدّین شاہ

آپ حجازی سیّد ہیں اور ان معدُودے چند طالعمند اور خوش بخت انسانوں میں سے ہیں جنہیں سیّد عالم دعالمیان سرور انس وجانؑ ملجار وملاذِ کونین سردارِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر و مقدّس کی خاکروبی اور چراغ بندی کی خدمت مقدّس ہوئی

ملتان میں تشریف آوری

آپ علم وفضل کے کوہِ گراں اور زہد واتقاء کے پیکرِ جمیل تھے۔ تدیّن وتورّع میں بے نظیر تھے۔ مدینہ منورہ میں آپ کے تبحرِ علمی کا شہرہ تھا۔ ۱۲۰۷ھ میں ملتان کے حاکم نواب مظفر خاں جو خود ایک پاکیزہ وسعید انسان تھے' زیارت حرمین کے لئے گئے۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضری دی۔ انہوں نے آپ کا شہرہ سُنا تو آپ سے ملتان تشریف لانے کی التجا کی۔ حضور سے ہجر وجُدائی ایک پل بھی گوارا نہ تھی۔ ایک تردّد سا پیدا ہوا لیکن بارگاہِ رسالت سے ہندوستان آنے کا ارشاد ہوا۔ آپ فوراً مُلتان تشریف لے آئے یہاں آکر آپ پوری طرح شریعت حقّہ کے احکام کی اشاعت وتبلیغ کا فریضہ ادا کرنے لگے لیکن مدینہ طیبہ کی دلکش فضائیں' عطر بیز ہوائیں' نوراتی جالیاں اور مقدّس ردائیں طبیعت میں اضطرابی کیفیتیں پیدا کر دیتی تھیں۔ عاقبت آپ پھر دیارِ حبیب کی طرف کشاں کشاں چلے گئے اور تاجدار کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: حضور فداک اُمّی و ابی! مُلتان کا پانی طبیعت کو راس نہیں آتا کیا کروں؟ ارشاد ہوا "جاؤ! تمہارے

مشرب میں کوثر و سلسبیل کی حلاوت پیدا کر دی گئی ہے۔ وہاں ہی رہ کر تبلیغ و اشاعت اسلام کرو۔ اس ارشاد عالیہ پر آپ پھر ملتان آئے۔ کنویں کا پانی چکھا تو اس میں کوثر کا مزہ پایا۔ اس سے اطمینان ہوا تو نہایت تندہی سے دین کی اشاعت و تبلیغ میں مصروف مشغول ہو گئے پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی سے ایک پیسہ تک ذاتی خرچ کیلئے نہ لیا۔ مزار مقدس بیرون دولت گیٹ ملتان میں واقع ہے۔ آپ کے تعویذ پر مندرجہ ذیل قطعہ کندہ ہے۔

حاجی حرمین نیز وا خط خلق　　بود زاولاد غوث محی الدین
سیزدہم ماہ جمادی الثانی　　روز شنبہ شدہ بخلد برین
چونکہ در راہ دین قوی می بود　　سال وصلش قوی عظیم الدین
۱۲۳۱ھ
رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد موسیٰ پاک صدیقیؒ

آپ حضرت حافظ محمد حیاتؒ جو عمر پیر کے مشہور قبرستان میں آسودہ ہیں کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ ولی کامل ہادی اکمل اور انفع الناس تھے۔ نسبت بیعت حضرت حافظ محمد جمال سے تھی۔ آپ کے تقدس و تورع کے پیش نظر حضرت حافظ محمد جمالؒ آپ پر فخر و ناز کیا کرتے تھے۔ جب آپ نے حضرت خواجہ موسیٰ پاک کو اپنی بیعت میں لیا تو تمام حاضرین سے یوں مخاطب ہوئے۔ "میں مبارکباد کا مستحق ہوں کہ میرا متوسل ایک برگزیدہ

د کامل انسان ہوتا ہے۔ بقول دیگر فرمایا "میرے چنگل میں ایک شاہین آگیا ہے۔"

اپنے ہادی و مرشد کی طرح خواجہ موسیٰ پاک صدیقیؒ بھی علم و فضل کے بحر زخار تھے ہمیشہ علم و فضل کے مشاغل میں محو رہتے۔ اور آپ کے علمی فیضان سے مستفیض ہونے کے لئے ہمیشہ سو کے لگ بھگ متعلمین موجود رہتے۔ جب تفسیر پڑھاتے تو طبیعت میں ایک کیف و وجدان پیدا ہو جاتا۔ تالیف و تصنیف کا کام کثرت سے کرتے تھے۔ چنانچہ علماء ملتان میں سے آپ سب سے زیادہ کتب کے مصنف ہیں۔ آپ کی تصنیف کردہ کتب علوم و فنون کا ایک بیش بہا خزانہ تھیں جنہیں سکھوں کے عہد میں جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔

ملتان کے قاضی مُلّا نادر مرحوم کو آپ سے بے انتہا عقیدت تھی۔ وہ آپ کا بیحد احترام کرتے تھے۔ آپ کی شان میں انہوں نے بہت سے قصاید لکھے۔ اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے اپنی ایک منظوم کتاب ہی یوں رقمطراز ہیں۔

بندۂ نادر نیاز آگندہ شد | بندہ اش را سگ سگش را بندہ شد
چاکران شیخ را چاکر ہستم ! | بندگانش را غلام کمترم

حضرت خواجہ محمد موسیٰ پاک صدیقیؒ کے والد محترم حافظ محمد حیاتؒ کی بارگاہ میں یوں گلہائے عقیدت پیش کرتے ہیں۔

پس محمد داد عالم را حیات | حافظ و قاری بداں عالیجناب
در درِ درسش بحرِ علم بیکراں | دُر و گوہرہا ازاں گشتہ عیاں
شد ہجوم اہلِ دل برگردِ او | فاضلان و کاملان شاگردِ او

آپ ۱۲۶۱ھ میں واصلِ حق ہوئے۔ مزارِ اقدس حسین آگاہی ملتان کے اندر ہے

آپ کے فرزندِ یگانہ حضرت خواجہ محمد خدا بخش تھے۔ جو اپنے کریمانہ خصائل و زاہدانہ و عابدانہ صفات کے باعث "محبوب اللہ" مشہور ہوئے۔ آپ کا اصل نام مولانا امام بخشؒ

تھا مگر مرشد نے نام بدل کر "اللہ بخش" رکھ دیا اوراد و وظائف آپ کے حرز جاں تھے ۱۱۳۱ھ میں وصال فرمایا اور اپنے والد بزرگوار کے متصل مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا شاہ علی مردانؒ

مولانا شاہ علی مردانؒ کے جدِ امجد فقیر عبدالقادر عراق عرب سے ہندوستان تشریف لائے۔ یہ صاحبِ وجد و حال بزرگ تھے اور درویشانِ ملتان میں ان کا خاص شہرہ تھا ان کی اولاد بھی صاحبِ ولایت ہوئی۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادہ حافظ عنایت اللہ ایک درویشِ کامل ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ علی مردانؒ ان کے ہی پوتے ہیں۔

مولانا علی مردانؒ مجسمہ علم و عمل تھے ان کے علم و عمل کے پیشِ نظر انہیں ساداتِ گردیزیہ کی امامت و اُستادی کے لئے استدعا کی گئی جو انھوں نے قبول فرمائی۔ آپ کو خاندانِ قریش نے بھی اپنا اُستاد و امام تسلیم کرلیا۔ آپ ہر دو خاندانوں کی نظروں میں معزز و مؤقر تھے اور ان ہی کی وجہ سے ان کی اولاد اب تک گردیزیوں اور قریشیوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ خاندان سادات گیلانی سے بھی تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ گویا ہر خاندان و خرقہ کے لوگ آپ کا دلی احترام کرتے تھے۔ آپ کا رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال لوگوں پر اس قدر طاری تھا کہ آپ کی حاضری میں کسی کو تعزیہ نکالنے کی جسارت نہ ہوتی۔ آپ اپنے خلوت کدے میں چلے جاتے تو جلوس تعزیہ نکالا جاتا۔

آپ ایک بے نظیر عالم دین تھے آپ کے پاس اطراف واکناف عالم سے طالبان علوم دین کھنچے چلے آتے تھے۔ آپ تفسیر، فقہ اور حدیث کی تدریس میں بے عدیل تھے خدمت خلق آپ کا مشغلہ تھا۔ اکثر یتامی، مساکین، غربا اور ضعیف عورتوں کے کام خود کر دیا کرتے تھے۔ اور اُن کی مالی امداد فرما دیا کرتے تھے۔ آپ زاہد شب زندہ دار تھے۔ اُدھر آسمان پر ستارے جگمگ جگمگ کرتے اِدھر یہ زمین کا ماہتاب رات کی تاریکیوں میں، لعل ریزیاں کرتا۔

غریبوں، مسکینوں اور فقیروں سے ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے۔ اور ان کے ذہنی و روحانی حوائج پورا کرنے میں ذرا تامل نہ فرماتے۔ مگر نوابوں اور رئیس زادوں سے ملنے سے ہمیشہ گریز کرتے۔ بسا اوقات نواب مظفر خان والی ملتان اور نواب بہاولپور ملنے کے لئے آئے لیکن آپ نے یہ کہہ کر انہیں شرف باریابی نہ بخشا کہ آپ ابھی خدمت خلق سے فارغ نہیں ہیں۔ مجاذیب کو بڑے شوق و اشتیاق سے ملتے۔ اکثر مجذوب فقیر آپ کے ہاں شب بسری کرتے۔ آپ اپنے ہاتھوں سے ان کی ظاہری گندگی کو دور فرماتے ۔۔۔ میں ہر ممکن کوشش فرماتے۔

آپ کا سلسلۂ بیعت و طریقت حضرت سیدنا اویس قرنیؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے پیر و مرشد خواجہ محمد مراد اویسی خاندان میں مرید تھے۔ اور خواجہ محکم الدین کے خلفاء اجلہ میں سے تھے۔ آپ کے دادا پیر حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کو حضرت سیدنا اویس قرنیؓ سے براہ راست فیوض روحانی حاصل ہوئے۔

حضرت علی مردانؒ نے ایک طویل عمر پائی۔ ۸۶ سال کی عمر میں ۱۲۸۲ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کا مقبرہ ملتان میں بیرون حرم گیٹ واقع ہے۔ مقبرہ کا شرقی دروازہ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ کے الفاظ مقدسہ سے مزین۔ ان ہی الفاظ سے آپ کی تاریخ وفات ۱۲۸۲ھ برآمد ہوتی ہے

بیرونی دیوار پر مندرجہ ذیل اشعار مرقوم ہیں جو آپ کے ہمہ گیر اوصاف کے مظہر ہیں

بود مرد خدا علی مردان — کہ براہ خدا قدم فرسود
گرچہ عمرش گذشت از ہشتاد — لیک در ذکر و فکر درس فزود
از مریدان شیخ محکم دین — واز محمد مراد فیض ربود
ہادی راہ حق چناں آمد — کہ بہر یک طریق سہل نمود
وعدۂ عمر چوں شدش آخر — لاجرم فرقت از جہاں فرمود
سحر شنبہ لیلۃ الاسراء — کردہ روحش بادج عرش صعود

گشت تاریخش از سر الہام
چہ اجل مظہر اویسی بود

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ عَلٰی عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ ط وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

کتبہ: طارق خلیل، لاہور

اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم الا اولیائی (حدیث)

اولیائے ملتان

بشیر حسین ناظم ایم۔اے

سنگ میل پبلیکیشنز
چوک اردو بازار ——— لاہور